

مناظرات پیامبر اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مصنف: استاد محمدی اشٹہاردی

مترجم: اقبال حیدر حیدری

یہ کتاب برقی شکل میں نشر ہوئی ہے اور شبکہ الاماین الحسینین (علیہما السلام) کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے

مناظرات پیامبر اعظم (ص)

استاد محمدی اشتہاردی

مترجم: اقبال حیدر حیدری

پانچ گروہوں کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ^(۱)

۲۵ افراد پر مشتمل اسلام مخالفوں کے پانچ گروہ نے آپس میں یہ طے کیا کہ پیغمبر کے پاس جا کر مناظرہ کریں۔

ان گروہوں کے نام اس طرح تھے: یہودی، عیسائی، ماڈی، ماٹوی اور بت پرست۔

یہ لوگ مدینہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاروں طرف بیٹھ گئے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ہی کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو بحث کا آغاز کرنے کی اجازت دی۔

یہودی گروہ نے کہا:

”ہم اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ ”عزیر“ نبی^(۲) خدا کے بیٹے ہیں، ہم آپ سے بحث و گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور اگر اس مناظرہ میں ہم حق پر ہوں تو آپ بھی ہمارے ہم عقیدہ ہو جائیں کیونکہ ہم آپ سے مقدم ہیں، اور اگر آپ نے ہماری موافقت نہ کی تو پھر ہم آپ کی مخالفت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

عیسائی گروہ نے کہا:

”ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، اور خدا ان کے ساتھ متحد ہو گیا ہے، ہم آپ کے پاس بحث و گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں، اگر آپ ہماری پیروی کریں اور ہمارے ہم عقیدہ ہو جائیں (تو بہتر ہے) کیونکہ ہم اس عقیدہ میں آپ سے مقدم ہیں، اور اگر آپ نے ہمارے اس عقیدہ میں مخالفت کی تو ہم (بھی) آپ کی مخالفت کریں گے۔“

ماڈ پرست (منکر خدا) گروہ نے کہا:

”ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ”موجوات عالم“ کا کوئی آغاز اور انجام نہیں ہے، اور یہ ”عالم“ قدیم اور ہمیشہ سے ہے، ہم یہاں آپ سے بحث و گفتگو کے لئے آئے ہیں، اگر آپ ہماری موافقت کریں گے تو واضح ہے کہ برتری ہماری ہوگی، ورنہ ہم آپ کی مخالفت کریں گے۔“

دو گانہ پرست آگے بڑھے اور کہا:

ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس دنیا کے دو مربی، دو تدبیر کرنے والے اور دو مبداء ہیں، جن میں سے ایک نور اور روشنی کا خلق کرنے والا ہے اور دوسرا ظلمت اور تاریکی کا خالق ہے، ہم یہاں پر آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، اگر آپ اس

بحث میں ہمارے ہم عقیدہ ہو گئے تو بہتر ہے اور اس میں ہماری سبقت اور برتری ہے، اور اگر آپ نے ہماری مخالفت کی تو ہم بھی آپ کی مخالفت کریں گے۔“

بت پرستوں نے کہا:

ہم اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ہمارے بت ہمارے خدا ہیں، ہم آپ سے اس سلسلہ میں بحث و گفتگو کرنے آئے ہیں، اگر آپ اس عقیدہ میں ہمارے موافق ہو گئے تو معلوم ہے کہ سبقت اور تقدم ہمارا ہے، ورنہ تو ہم آپ سے دشمنی کریں گے۔“ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کلی طور پر جواب میں بیان فرمایا:

(تم نے اپنا عقیدہ بیان کر دیا، اب میری باری ہے کہ میں اپنا عقیدہ بیان کروں) “میرا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم وحدہ لا شریک ہے، میں اس کے علاوہ ہر دوسرے معبود کا منکر ہوں، اور میں ایسا پیغمبر ہوں جس کو خداوند عالم نے تمام دنیا کے لئے مبعوث کیا ہے، میں خداوند عالم کی رحمت کی بشارت اور اس کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں، نیز میں دنیا بھر کے تمام لوگوں پر حجت ہوں، اور خداوند عالم مجھے دشمنوں اور مخالفوں کے خطرہ سے محفوظ رکھے گا۔“

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان گروہوں کو باری باری مخاطب کیا تاکہ ہر ایک سے الگ الگ مناظرہ کریں، چونکہ یہودیوں کے گروہ نے چیلنج کیا تھا اس وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے گروہ کو مخاطب کیا:

۱۔ یہودیوں سے مناظرہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری باتوں کو بغیر کسی دلیل کے مان لوں؟
یہودی گروہ: نہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس بات پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ “عزیر” خدا کے بیٹے ہیں؟
یہودی گروہ: کتاب “توریت” مکمل طور پر نیست و نابود ہو چکی تھی اور کوئی اس کو زندہ نہیں کر سکتا تھا، جناب عزیر نے اس کو زندہ کیا، اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اگر تمہارے پاس جناب عزیر کے خدا کے بیٹے ہونے پر یہی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جو توریت لانے والے اور جن کے پاس بہت سے معجزات تھے جن کا تم لوگ خود اعتراف کرتے ہو، وہ تو اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے یا اس سے بھی بالاتر ہوں! پس تم لوگ جناب موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے یہ عقیدہ کیوں نہیں رکھتے جن کا درجہ جناب عزیر سے بھی بلند و بالا ہے؟

اس کے علاوہ اگر خدا کا بیٹا ہونے سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ عزیر بھی دوسرے باپ اور اولاد کی طرح شادی اور ہمبستری کے ذریعہ خدا سے پیدا ہوئے ہیں تو اس صورت میں تم نے خدا کو ایک ماڈی، جسمانی اور محدود موجود قرار دیدیا ہے، جس کا لازمہ یہ ہے کہ خدا کے لئے کوئی خلق کرنے والا ہو، اور اس کو دوسرے خالق کا محتاج تصور کریں۔

یہودی گروہ: جناب عزیر کا خدا کا بیٹا ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ان کی اس طرح ولادت ہوئی، کیونکہ یہ معنی مراد لینا جیسا کہ آپ نے فرمایا کفر و جہل کے مترادف ہے، بلکہ ہماری مراد ان کی شرافت اور ان کا احترام ہے، جیسا کہ ہمارے بعض علماء اپنے کسی ایک ممتاز شاگرد کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لئے کہتے ہیں: ”اے میرے بیٹے!“ یا ”وہ میرا بیٹا ہے“، یہ بات تو معلوم ہے کہ ولادت کے لحاظ سے بیٹا نہیں ہے کیونکہ شاگرد، استاد کی اولاد نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے کوئی رشتہ داری ہوتی ہے، اسی طرح خداوند عالم نے جناب عزیر کی شرافت اور احترام کی وجہ سے ان کو اپنا بیٹا کہا ہے، اور ہم بھی اسی لحاظ سے ان کو ”خدا کا بیٹا“ کہتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تمہارا جواب وہی ہے جو میں دے چکا ہوں، اگر یہ منطقی اور دلیل اس بات کا سبب ہے کہ جناب عزیر خدا کے بیٹے بن جائیں تو پھر جو شخص مثل حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جناب عزیر سے بھی بلند و بالا ہوں اس بات کا زیادہ مستحق ہیں۔

خداوند عالم کبھی بعض لوگوں کو دلائل اور اپنے اقرار کی وجہ سے عذاب کمرے گا، تمہاری دلیل اور تمہارا اقرار اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ تم لوگ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس سے بڑھ کر کہو جو جناب عزیر کے بارے میں کہتے ہو، تم لوگوں نے مثال دی اور کہا: کوئی بزرگ اور استاد اپنے شاگرد سے کوئی رشتہ داری نہیں رکھتا بلکہ اس سے محبت اور احترام کی وجہ سے کہتا ہے:

”اے میرے بیٹے!“ یا ”وہ میرا بیٹا ہے“، اس بناء پر تم لوگ یہ بھی جائز سمجھو کہ وہ اپنے دوسرے محبوب شاگرد سے کہے: ”یہ میرا بھائی ہے“، اور کسی دوسرے سے کہے: ”یہ میرا استاد ہے“، یا ”یہ میرا باپ اور میرا آقا ہے“۔

یہ تمام الفاظ شرافت اور احترام کی وجہ سے ہیں، جس کا بھی زیادہ احترام ہو اس کو بہتر اور با عظمت الفاظ سے پکارا جائے، اس صورت میں تم اس بات کو بھی جائز مانو کہ جناب موسیٰ (علیہ السلام) خدا کے بھائی ہیں، یا خدا کے استاد یا باپ ہیں، کیونکہ جناب موسیٰ (علیہ السلام) کا مرتبہ جناب عزیر سے بلند و بالا ہے۔

اب میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں کہ کیا تم لوگ اس بات کو جائز مانتے ہو کہ جناب موسیٰ (علیہ السلام) خدا کے بھائی، یا خدا کے باپ یا خدا کے چچا، یا خدا کے استاد، آقا اور ان کے سردار ہوں، اور خداوند عالم احترام کی وجہ سے جناب موسیٰ (علیہ السلام) سے کہے: اے میرے باپ!، اے میرے استاد، اے میرے چچا اور اے میرے سردار۔۔۔؟

یہ سن کر یہودی گروہ لاجواب ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن پایا، اور وہ حیران و پریشان رہ گئے تھے، چنانچہ انھوں نے کہا: ”آپ ہمیں غور و فکر اور تحقیق کرنے کی اجازت دیں!“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: بے شک تم لوگ اگر پاک و صاف دل اور انصاف کے ساتھ اس سلسلہ میں غور و فکر کرو تو خداوند عالم تم لوگوں کو حقیقت کی طرف راہنمائی فرمادے گا۔

۲۔ عیسائیوں سے مناظرہ

عیسائیوں کی باری آئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم لوگ کہتے ہو کہ خداوند قدیم اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ مسیح کے ساتھ متحد ہے، اس عقیدہ سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کیا تم لوگوں کی مراد یہ ہے کہ خدا نے اپنے قدیم ہونے سے منزل کر لیا ہے، اور ایک حادث (جدید خلقت) موجود میں تبدیل ہو گیا ہے، اور ایک حادث موجود (جناب عیسیٰ) کے ساتھ متحد ہو گیا ہے یا اس کے برعکس، یعنی حضرت عیسیٰ جو ایک حادث اور محدود موجود ہیں انھوں نے ترقی کی اور وہ خداوند قدیم کے ساتھ متحد ہو گئے ہیں، یا اتحاد سے تمہارا مقصد صرف حضرت عیسیٰ کا احترام اور شرافت ہے؟!

اگر تم لوگ پہلی بات کو قبول کرتے ہو یعنی قدیم وجود حادث وجود میں تبدیل ہو گیا تو یہ چیز عقلی لحاظ سے محال ہے کہ ایک ازلی و لامحدود چیز، حادث اور محدود ہو جائے۔

اور اگر دوسری بات کو قبول کرتے ہو تو وہ بھی محال ہے، کیونکہ عقلی لحاظ سے یہ چیز بھی محال ہے کہ ایک محدود اور حادث چیز لامحدود اور ازلی ہو جائے۔

اور اگر تیسری بات کے قائل ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب عیسیٰ (علیہ السلام) دوسرے بندوں کی طرح حادث ہیں لیکن وہ خدا کے ممتاز اور لائق احترام بندہ ہیں، تو اس صورت میں بھی خداوند کا (جو قدیم ہے) جناب عیسیٰ (علیہ السلام) سے متحد اور برابر ہونا قابل قبول نہیں ہے۔

عیسائی گروہ: چونکہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) کو خاص امتیازات سے نوازا ہے، عجیب و غریب معجزات اور دوسری چیزیں انھیں دی ہیں، اسی وجہ سے ان کو اپنا بیٹا قرار دیا ہے، اور یہ خدا کا بیٹا ہونا شرافت اور احترام کی وجہ سے ہے! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”بعضیہ یہی مطلب یہودیوں سے گفتگو کے درمیان بیان ہوا ہے اور تم لوگوں نے سنا کہ اگر یہ سچ ہو کہ خداوند عالم نے ان کو امتیاز اور (معجزات) کی بنا پر اپنا بیٹا قرار دیا ہو تو پھر جو شخص جناب عیسیٰ (علیہ السلام) سے بلند تر یا ان کے برابر ہو تو پھر اس کو اپنا باپ، یا استاد یا اپنا چچا قرار دے۔۔۔“

عیسائی گروہ یہ اعتراض سن کر لاجواب ہو گیا، نزدیک تھا کہ ان سے بحث و گفتگو ختم ہو جائے، لیکن ان میں سے ایک شخص نے کہا:

کیا آپ جناب ابراہیم (علیہ السلام) کو "خلیل خدا" (یعنی دوست خدا) نہیں مانتے؟۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: جی ہاں، مانتے ہیں۔

عیسائی: اسی بنیاد پر ہم جناب عیسیٰ (علیہ السلام) کو "خدا کا بیٹا" مانتے ہیں، پھر کیوں آپ ہم کو اس عقیدہ سے روکتے ہیں؟
 پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: یہ دونوں لقب آپس میں بہت فرق رکھتے ہیں، لفظ "خلیل" دراصل لغت میں "خَلَّہ" (بروزن ذرۃ) سے ہے جس کے معنی فقر و نیاز اور ضرورت کے ہیں، کیونکہ جناب ابراہیم (علیہ السلام) بی نہایت خدا کی طرف متوجہ تھے، اور عفت نفس کے ساتھ، غیر سے بے نیاز ہو کر صرف خداوند عالم کی بارگاہ کا فقیر اور نیاز مند سمجھتے تھے، اسی وجہ سے خداوند عالم نے جناب ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا "خلیل" قرار دیا، تم لوگ جناب ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ یاد کرو:

جس وقت (نمرود کے حکم سے) ان کو منجنیق میں رکھا تاکہ ان کو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی آگ کے اندر ڈالا جائے، اس وقت جناب جبرئیل خدا کی طرف سے آئے اور فضا میں ان سے ملاقات کی اور ان سے عرض کی کہ میں خدا کی طرف سے آپ کی مدد کرنے کے لئے آیا ہوں، جناب ابراہیم (علیہ السلام) نے ان سے کہا: مجھے غیر خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے اس کی مدد کافی ہے، وہ بہترین محافظ اور مددگار ہے، اسی وجہ سے خداوند عالم نے جناب ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا "خلیل" قرار دیا، خلیل یعنی خداوند عالم کا محتاج اور ضرورت مند، اور خلق خدا سے بے نیاز۔

اور اگر لفظ خلیل کو "خَلَّہ" (بروزن پلہ) سے مانیں جس کے معنی "معانی کی تحقیق اور خلقت و حقائق کے اسرار و رموز پر توجہ کرنا ہے"، اس صورت میں بھی جناب ابراہیم (علیہ السلام) خلیل ہیں یعنی وہ خلقت اور حقائق کے اسرار اور لطائف سے آگاہ تھے، اور یہ معنی خالق و مخلوق میں شباهت کی باعث نہیں ہوتی، اس بنا پر اگر جناب ابراہیم (علیہ السلام) صرف خدا کے محتاج نہ ہوتے، اور اسرار و رموز سے آگاہ نہ ہوتے تو خلیل بھی نہ ہوتے، لیکن باپ بیٹے کے درمیان پیدائشی حوالہ سے ذاتی رابطہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر باپ اپنے بیٹے سے قطع تعلق کر لے تو بھی وہ اس کا بیٹا ہے اور باپ بیٹے کا رشتہ باقی رہتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر تمہاری دلیل یہی ہے کہ چونکہ جناب ابراہیم (علیہ السلام) خلیل خدا ہیں لہذا وہ خدا کے بیٹے ہیں، تو اس بنیاد پر تمہیں یہ بھی کہنا چاہئے کہ جناب موسیٰ (علیہ السلام) بھی خدا کے بیٹے ہیں، بلکہ جس طرح میں نے یہودی گروہ سے کہا، اگر یہ طے ہو کہ لوگوں کے مقام و عظمت کی وجہ سے یہ نسبتیں صحیح ہوں تو کہنا چاہئے کہ جناب موسیٰ (علیہ السلام) خدا کے باپ، استاد، چچا یا آقا ہیں۔۔۔ جبکہ تم لوگ کبھی بھی ایسا نہیں کہتے۔

عیسائیوں میں سے ایک شخص نے کہا: حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہونے والی کتاب انجیل کے حوالہ سے بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: ”میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں“، لہذا اس جملہ کی بنا پر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے خود کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اگر تم لوگ کتاب انجیل کو قبول کرتے ہو تو پھر اس جملہ کی بنا پر تم لوگ بھی خدا کے بیٹے ہو، کیونکہ جناب عیسیٰ کہتے ہیں: ”میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں“، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ میں بھی خدا کا بیٹا ہونا اور تم بھی۔

دوسری طرف یہ عبارت تمہاری گزشتہ کہی ہوئی بات (یعنی چونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خاص امتیازات، شرافت اور احترام رکھتے تھے اسی وجہ سے خداوند عالم نے ان کو اپنا بیٹا قرار دیا ہے) کو باطل اور مردود قرار دیتی ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس جملہ میں صرف خود ہی کو خدا کا بیٹا قرار نہیں دیتے بلکہ سبھی کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

اس بنا پر بیٹا ہونے کا معیار حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے خاص امتیازات (اور معجزات میں سے) نہیں ہے، کیونکہ دوسرے لوگوں میں اگرچہ یہ امتیازات نہیں ہیں لیکن خود حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زبان سے نکلے ہوئے جملہ کی بنا پر خدا کے بیٹے ہیں، لہذا ہر مومن اور خدا پرست انسان کے لئے کہا جاسکتا ہے: وہ خدا کا بیٹا ہے، تم لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے قول کو نقل کرتے ہو لیکن اس کے برخلاف گفتگو کرتے ہو۔

کیوں تم لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی گفتگو میں بیان ہونے والے ”باپ بیٹے“ کے لفظ کو اس کے غیر معنی میں استعمال کرتے ہو، شاید جناب عیسیٰ (علیہ السلام) کی مراد اس جملہ ”میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں“ سے مراد اس کے حقیقی معنی ہوں یعنی میں حضرت آدم و نوح (علیہما السلام) کی طرف جا رہا ہوں جو ہمارے سب کے باپ ہیں، اور خداوند عالم مجھے ان کے پاس لے جا رہا ہے، جناب آدم و نوح ہمارے سب کے باپ ہیں، اس بنا پر تم کیوں اس جملہ کے ظاہری اور حقیقی معنی سے دوری کرتے ہو اور اس سے دوسرے معنی مراد لیتے ہو؟!

عیسائی گروہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مستدل گفتگو سے اس قدر مرعوب ہوا کہ کہنے لگے: ہم نے آج تک کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس ماہرانہ انداز میں اس طرح بحث و گفتگو کرے جیسا کہ آپ نے کی ہے، ہمیں اس بارے میں غور و فکر کی فرصت

۳۔ منکرین خدا سے مناظرہ

مادّیوں اور منکرین خدا کی باری آئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگ اس بات کا عقیدہ رکھتے ہو کہ اس موجودات عالم کا کوئی آغاز نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

منکرین خدا: جی ہاں، یہی ہمارا عقیدہ ہے، کیونکہ ہم نے اس دنیا کے آغاز اور حدوث کو نہیں دیکھا، اور اسی طرح اس کے لئے فنا اور انتہا کا مشاہدہ نہیں کیا، لہذا ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میں بھی آپ لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا تم نے موجودات کے قدیم، ہمیشگی اور ابدی ہونے کو دیکھا ہے؟

اگر تم کہتے ہو کہ ہم نے دیکھا ہے تو تمہیں اسی عقل و فکر اور بدنی طاقت کے ساتھ ہمیشہ سے ابد تک رہنا چاہئے تاکہ تمام موجودات کی ازلیت اور ابدیت کو دیکھ سکو، جبکہ ایسا دعویٰ عقل اور عینی واقعیت کے برخلاف ہے، اور دنیا کے سبھی عقلمند حضرات اس بات میں تمہیں جھٹلائیں گے۔

منکرین خدا: ہم نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے موجودات کے قدیم ہونے کو دیکھا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تم کو ایک طرفہ فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ تم لوگوں نے خود اقرار کیا ہے کہ نہ ہم نے موجودات کو دیکھا ہے اور نہ ان کے قدیم ہونے کو، اور نہ ہی ان کی نابودی کو دیکھا ہے اور نہ ان کی بقاء کو، پس تم کس طرح ایک طرفہ فیصلہ کر سکتے ہو، اور تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ چونکہ ہم نے موجودات کے حدوث اور فنا کو نہیں دیکھا لہذا موجودات قدیمی اور ابدی ہیں؟

(اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ایک سوال کیا جس میں ان کے عقیدہ کو مردود کرتے ہوئے ثابت کیا کہ تمام موجودات حادث ہیں) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم نے دن اور رات کو دیکھا ہے جو ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور ہمیشہ آمد و رفت کرتے ہیں۔
منکرین خدا: جی ہاں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا تم لوگ دن و رات کو اس طرح دیکھتے ہو کہ ہمیشہ سے تھے اور ہمیشہ رہیں گے۔
منکرین خدا: جی ہاں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا تمہاری نظریں یہ ممکن ہے کہ یہ دن رات ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ان کی ترتیب ختم ہو جائے؟
منکرین خدا: نہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: پس اس صورت میں ایک دوسرے سے جدا ہیں، جب ایک کی مدت پوری ہو جاتی ہے تب دوسرے کی باری آتی ہے۔
منکرین خدا: جی ہاں، اسی طرح ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تم لوگوں نے اپنے اس اقرار میں شب و روز میں مقدم ہونے والے کے حدوث کا اقرار کر لیا ہے بغیر اس کے کہ تم لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو، لہذا تمہیں خدا کا بھی منکر نہیں ہونا چاہئے⁽³⁾
اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”کیا تمہاری نظریں دن رات کا کوئی آغاز ہے یا ان کا کوئی آغاز نہیں ہے اور ازلی ہے؟ اگر تم یہ کہتے ہو کہ آغاز ہے تو ہمارا مقصد “حدوث” ثابت ہو جائے گا اور اگر تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اس کا کوئی آغاز نہیں ہے تو تمہاری اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ جس کا انجام ہو اس کا کوئی آغاز نہ ہو۔

(جب دن رات انجام کے لحاظ سے محدود ہیں تو یہاں پر عقل کہتی ہے کہ آغاز کے لحاظ سے بھی محدود ہے، شب و روز کے محدود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہیں اور یکے بعد دیگرے گزرتے رہتے ہیں اور پھر ایک کے بعد دوسرے کی باری آتی ہے)
اس کے بعد فرمایا:

تم لوگ کہتے ہو کہ یہ عالم قدیم ہے، کیا تم نے اپنے اس عقیدہ کو خوب سمجھ بھی لیا ہے یا نہیں؟
منکرین خدا: جی ہاں، ہم جانتے ہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا تم لوگ دیکھتے ہو کہ اس دنیا کی تمام موجودات ایک دوسرے سے تعلق اور پیوند رکھتے ہیں اور اپنی بقاء میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، جیسا کہ ہم ایک عمارت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے اجزاء (اینٹ، پتھر، سیمینٹ وغیرہ) ایک دوسرے سے پیوند رکھتے ہیں اور اپنی بقاء میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

جب اس دنیا کے تمام اجزاء اسی طرح ہیں تو پھر کس طرح ان کو قدیم اور ثابت (4) تصور کر سکتے ہو، اگر حقیقت میں یہ تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ پیوند رکھتے ہوں اور ضرورت رکھتے ہوں، قدیم ہیں اگر حادث ہوتے تو کیسے ہوتے؟ منکرین خدا لاجواب ہو گئے، اور حادث کے معنی کو بیان نہیں کر سکے، کیونکہ جو کچھ بھی حادث کے معنی میں کہہ سکتے تھے، اور جن چیزوں کو قدیم مانتے تھے ان پر یہ معنی صادق آتے تھے، لہذا بہت زیادہ حیران اور پریشان ہو گئے، اور انھوں نے کہا: ہمیں غور و فکر کرنے کا موقع دیں۔ (5)

۴۔ دوگانہ پرستوں سے مناظرہ

ان کے بعد دوگانہ پرستوں کی باری آئی جن کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا کے دو مبداء اور دو مدبر بنام ”نور“ اور ”ظلمت“ ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کس بنیاد پر یہ عقیدہ رکھتے ہو؟ دوگانہ پرستوں نے جواب دیا: ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا دو چیزوں سے تشکیل پائی ہے، اس دنیا میں یا خیر و نیکی ہے، یا شر اور برائی، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی وجہ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا خالق بھی الگ الگ ہے، کیونکہ ایک خالق دو متضاد چیزیں خلق نہیں کرتا، مثال کے طور پر: برف سے گرمی پیدا ہونا محال ہے، جیسا کہ آگ سے سردی پیدا ہونا بھی محال ہے، لہذا یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس دنیا میں دو قدیم خالق ہیں ایک نور کا خالق (جو نیکیوں کا خالق ہے) اور دوسرا ظلمت کا خالق (جو برائیوں کا خالق ہے)۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا تم لوگ اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ اس دنیا میں مختلف رنگ موجود ہیں جیسے کالا، سفید، سرخ، زرد، سبز اور مائل بہ سیاہی جبکہ یہ رنگ ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ ان میں دو رنگ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، جیسا کہ گرمی اور سردی ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ دوگانہ پرستوں نے جواب دیا: جی ہاں ہم تصدیق کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تو پھر تم لوگ ہر رنگ کے عدد کے مطابق اتنے ہی خدا کے معتقد کیوں نہیں ہو؟ کیا تمہارے عقیدہ کے مطابق ہر خدا کا ایک مستقل خالق نہیں ہے؟ اس پر تم ہر ضد کی تعداد کے مطابق خالق کا کیوں عقیدہ نہیں رکھتے۔؟! دوگانہ پرست اس دندان شکن سوال کے جواب دینے سے حیران و پریشان ہو گئے، اور غور و فکر میں غرق ہو گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی باتوں کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: تمہارے عقیدہ کے مطابق نور اور ظلمت دونوں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اس دنیا کو چلا رہے ہیں، جبکہ نور کی فطرت میں ترقی ہے اور ظلمت کی فطرت میں تنزلی ہوتی ہے، کیا دو شخص جن میں سے ایک مشرق کی طرف جا رہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف جا رہا ہو، کیا یہ دونوں اسی طرح چلتے چلتے ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں؟!

دوگانہ پرستوں نے جواب دیا: نہیں، ایسا ممکن نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس بنا پر کس طرح نور اور ظلمت جو ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہیں آپس میں متحد ہو کر اس دنیا کی تدبیر کا کام انجام دے رہے ہیں؟ آیا اس طرح کی چیز ممکن ہے کہ یہ دنیا جو دو متضاد اور مخالف اسباب کی وجہ سے پیدا ہو؟ مسلم طور پر ایسا ممکن نہیں ہے، پس معلوم یہ ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مخلوق اور حادث ہیں اور خداوند قادر و قدیم کی تدبیر کے ماتحت ہیں۔

دوگانہ پرست مجبوراً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لاجواب ہو گئے، اور انھوں نے اپنا سر جھکا لیا، اور کہنے لگے: ہمیں غور و فکر کرنے کی فرصت عنایت فرمائیں!

۵۔ بت پرستوں سے مناظرہ

اب پانچویں گروہ یعنی بت پرستوں کی باری آئی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف رخ کمر کے فرمایا: ”تم لوگ کیوں خدا کی عبادت سے روگرداں ہو اور ان بتوں کی پوجا کرتے ہو؟“

بت پرست: ہم ان بتوں کے ذریعہ خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا یہ بت کچھ سنتے بھی ہیں؟ اور کیا یہ بت خدا کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں، اور کیا اس کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں؟ جس سے تم ان کے احترام کرنے کی بدولت خدا کا تقرب حاصل کرتے ہو؟

بت پرست: نہیں یہ تو نہیں سنتے اور نہ خداوند عالم کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: کیا تم لوگوں نے ان کو اپنے ہاتھوں سے نہیں تراشا ہے اور ان کو نہیں بنایا ہے؟

بت پرست: کیوں نہیں، ہم نے ان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس بنا پر تم لوگ ان کے صانع اور بنانے والے ہو، مناسب تو یہ ہے کہ یہ تمہاری عبادت کریں نہ کہ تم لوگ ان کی عبادت اور پرستش کرو، اس کے علاوہ جو خدا تمہاری مصلحت اور تمہارے انجام نیز تمہارے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ ہے اس کو چاہئے کہ بتوں کی پرستش کا حکم تمہیں دے، جبکہ خداوند عالم نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے۔

جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو یہاں تک پہنچی تو بت پرستوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔

ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: خدا نے ان بتوں کی شکل و صورت والے مردوں میں حلول کیا ہے اور ہم ان بتوں کی پرستش

اور ان پر توجہ اس وجہ سے کرتے ہیں تاکہ ان شکلوں کا احترام کر سکیں۔

ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: ہم نے ان بتوں کو پرہیزگار اور خدا کے مطیع بندوں کی شبیہ بنایا ہے، ہم خدا کی تعظیم اور اس کے احترام کی وجہ سے ان کی عبادت کرتے ہیں!

تیسرے گروپ نے کہا: جس وقت خداوند عالم نے جناب آدم کو خلق کیا، اور اپنے فرشتوں کو جناب آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا، لہذا ہم (تمام انسان) اس بات کے سزاوار ہیں کہ جناب آدم کو سجدہ کریں اور چونکہ ہم اس زمانہ میں نہیں تھے، اس وجہ سے ان کو سجدہ کرنے سے محروم رہیں، آج ہم نے جناب آدم کی شبیہ بنائی، اور خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تاکہ گزشتہ محرومیت کی تلافی کر سکیں، اور جس طرح آپ نے اپنے ہاتھوں سے (مسجدوں میں) محرابیں بنائی اور کعبہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے ہیں، کعبہ کے مقابل خدا کی تعظیم اور اس کے احترام کی وجہ سے سجدہ اور عبادت کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان بتوں کے سامنے درحقیقت خدا کا احترام کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں گروہوں کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا: تم سبھی لوگ حقیقت سے دور غلط اور منحرف راستہ پر ہو، اور پھر ایک ایک کا الگ الگ جواب دینے لگے:

پہلے گروہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

تم جو کہتے ہو کہ خدا نے ان بتوں کی شکلوں کے لوگوں میں حلول کر رکھا ہے اس وجہ سے ہم نے ان بتوں کو انھیں مردوں کی شکل میں بنایا ہے اور ان کی پوجا کرتے ہیں، تم لوگوں نے اپنے اس بیان سے خدا کو مخلوقات کی طرح قرار دیا ہے اور اس کو محدود اور حادث مان لیا، کیا خداوند عالم کسی چیز میں حلول کر سکتا ہے اور وہ چیز (جو کہ محدود ہے) خدا کو اپنے اندر سما لیتی ہے؟ لہذا کیا فرق ہے خدا اور دوسری چیزوں میں جو جسموں میں حلول کرتی ہیں جیسے رنگ، ذائقہ، بو، نرمی، سختی، سنگینی اور سبکی، اس بنیاد پر تم لوگ کس طرح کہتے ہو کہ جس جسم میں حلول ہوا ہو وہ تو حادث اور محدود ہے لیکن جو خدا اس میں واقع ہوا ہو وہ قدیم اور نامحدود ہے، جبکہ اس کے برعکس ہونا چاہئے یعنی احاطہ کرنے والا قدیم ہونا چاہئے اور احاطہ ہونے والا حادث ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ کس طرح ممکن ہے جو خداوند عالم ہمیشہ سے اور تمام موجودات سے پہلے مستقل اور غنی ہو، نیز محل سے پہلے موجود ہو، اس کو محل کی کیا ضرورت ہے کہ خود کو اس محل میں قرار دے!۔

اور تمہارے اس عقیدہ کے پیش نظر کہ خدا نے موجودات میں حلول کر رکھا ہے، تم نے خدا کو موجودات کی صفات کے مثل حادث اور محدود فرض کر لیا ہے، جس کا لازمہ یہ ہے کہ خدا کا وجود قابل تغیر و زوال ہے، کیونکہ ہر حادث اور محدود چیز قابل تغیر اور زوال ہوتی ہے۔

اور اگر تم لوگ یہ کہو کہ کسی موجود میں حلول کرنا تغیر اور زوال کا سبب نہیں ہے، تو پھر بہت سے امور جیسے حرکت، سکون، مختلف رنگ، سیاہ و سفید اور سرخ وغیرہ کو بھی ناقابل تغیر اور ناقابل زوال کے سمجھو، اس صورت میں تمہارے لئے یہ کہنا صحیح

ہے کہ خدا کے وجود پر ہر طرح کے عوارض اور حالات پیدا ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں خدا کو دوسرے صفات کی طرح محدود اور حادث سے توصیف کرو اور خدا کو مخلوقات کی شبیہ مانو۔

جب شکلوں میں خدا کے حلول کا عقیدہ بے بنیاد اور کھوکھلا ہو گیا، تو چونکہ بت پرستی کی بنیاد بھی اسی عقیدہ پر ہے تو پھر وہ بھی بے بنیاد اور باطل ہو جائے گی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دلائل اور انداز بیان کے سامنے بت پرستوں کا پہلا گروہ لاجواب ہو گیا، اور سر جھکا کر غور و فکر کرنے لگا اور کہا: ہمیں مزید غور و فکر کی فرصت دیں۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مجھے بتاؤ کہ جب تم نیک اور پرہیزگار بندوں کی شکل و صورت کو پوجتے ہو اور ان شکلوں کے سامنے نماز پڑھتے ہو اور سجدہ کرتے ہو، اور ان شکلوں کے سامنے سجدہ کے عنوان سے اپنے سر بلند چہروں کو زمین پر رکھتے ہو، اور مکمل خضوع کے ساتھ پیش آتے ہو، تو پھر خدا کے لئے کیا خضوع باقی رہا، (واضح الفاظ میں سب سے زیادہ خضوع سجدہ ہے، اور تم ان شکلوں کے سامنے سجدہ کرتے ہو تو پھر تمہارے پاس اور کیا خضوع باقی ہے جس کو خدا کے سامنے پیش کرو؟) اگر تم لوگ کہتے ہو کہ خدا کے لئے بھی سجدہ کرتے ہیں تو پھر ان شکلوں اور خدا کے لئے برابر کا خضوع ہو جائے گا، تو کیا حقیقت میں ان بتوں کا احترام خدا کے احترام کے برابر ہے؟

مثال کے طور پر:

اگر تم لوگ کسی حاکم اور اس کے نوکر کا برابر احترام کرو، تو کیا کسی عظیم انسان کو چھوٹے انسان کے ساتھ قرار دینا عظیم انسان کی بے احترامی نہیں ہے؟

بت پرستوں کا دوسرا گروہ: کیوں نہیں، بالکل اسی طرح ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اس بنا پر تم لوگ ان بتوں (کہ تمہارے عقیدہ کی بنا پر خدا کے نیک اور پرہیزگار بندوں کی صورت پر ہیں) کی پوجا سے درحقیقت خدا کی عظمت اور اس کے مقام و مرتبہ کی توہین کرتے ہو۔

بت پرست، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منطقی دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے، اور کہا ہمیں اس سلسلہ میں غور و فکر کی فرصت عنایت کریں۔

اس کے بعد بت پرستوں کے تیسرے گروہ کی باری آئی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا:

تم نے مثال کے ذریعہ خود کو مسلمانوں کے شبیہ قرار دیا ہے، اس بنیاد پر بتوں کے سامنے سجدہ کرنا حضرت آدم (علیہ السلام) یا خانہ کعبہ کے سامنے سجدہ کی طرح ہے، لیکن یہ دو چیزیں مکمل طور پر فرق رکھتی ہیں اور قابل موازنہ نہیں ہیں۔

مزید وضاحت:

ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایک خدا ہے، ہم پر فرض ہے کہ اس کی اس طرح اطاعت کریں جس طرح وہ چاہتا ہے، اس نے جس طرح حکم دیا ہے اسی طرح عمل کریں، اور اس کی حدود سے آگے نہ بڑھیں، ہمیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ اس کے حکم اور اس کی مرضی کے بغیر اس کے حکم کے آگے بڑھ کر اپنی طرف سے (قیاس اور تشبیہ کے ذریعہ) اپنے لئے فرائض اور تکالیف معین کریں، کیونکہ ہم تمام پہلوؤں سے آگاہ نہیں ہیں، شاید خدا اس چیز کو چاہتا ہے اور اس چیز نہیں چاہتا، اس نے ہمیں آگے بڑھنے سے منع کیا ہے۔

اور چونکہ اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ خانہ کعبہ کے سامنے عبادت کریں، ہم بھی اس کی اطاعت کرتے ہیں، اور اس کے حکم سے تجاوز نہیں کرتے، اسی طرح اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں خانہ کعبہ کی سمت عبادت کریں، چنانچہ ہم اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اور جناب آدم (علیہ السلام) کے بارے میں اس نے اپنے ملائکہ کو حکم دیا کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کریں نہ کہ آدم کی شکل و صورت پر بنے کسی دوسرے کے سامنے، لہذا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی شکل و صورت کو اپنے سے مقانسہ کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ جو کام تم انجام دیتے ہو شاید وہ اس سے راضی نہ ہو، کیونکہ ممکن ہے اس نے تمہیں اس کام کا حکم نہ دیا ہو۔

مثال کے طور پر: اگر کوئی شخص تمہیں کسی خاص دن میں کسی خاص اور معین مکان میں جانے کی اجازت دیدے، تو کیا تمہارے لئے کسی دوسرے دن بھی اس مکان میں جانے کی اجازت ہے، یا اس معین دن میں کسی دوسرے مکان میں چلے جاؤ؟ یا کوئی شخص تمہیں لباس، غلاموں، یا حیوانوں میں سے کوئی لباس، غلام یا حیوان تمہیں بخش دے۔ تو کیا تمہیں اس بات کا حق ہے کہ دوسرے لباس، یا دوسرے غلام یا دوسرے حیوان میں جو کہ اس کے مثل ہیں تصرف کرو جن میں اس کی اجازت نہیں ہے۔؟

بت پرستوں کا تیسرا گروہ: نہیں، ایسا ہمارے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ صرف ہمیں مخصوص کام میں اجازت دی گئی ہے کسی دوسرے میں نہیں۔

پینغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مجھے بتاؤ کہ کیا خداوند عالم سزاوار تر ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف کریں یا دوسرے لوگ؟

بت پرستوں کا تیسرا گروہ: یقینی طور پر خدا اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی ملکیت میں تصرف نہ کیا جائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: پس تم نے خدا کے حکم کے بغیر ہی ان بتوں کی پوجا کیوں شروع کر دی، اور اس کی مرضی کے بغیر ہی ان بتوں کے سامنے سجدہ کرنے لگے؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین دلائل کے سامنے بت پرستوں کا تیسرا گروہ لاجواب ہو گیا اور وہ خاموش ہو گئے، اور انھوں نے بھی عرض کی: ہمیں اس سلسلہ میں غور و فکر کی اجازت دیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان پانچ گروہوں سے مناظرہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: قسم ہے اس خدا کی کہ جس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث برسالت کیا، کہ ابھی تین دن نہیں گزرے تھے کہ یہ پانچوں گروہ کے تمام ۲۵ / افراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور انھوں نے واضح طور پر اعلان کیا:

“مَا رَأَيْنَا مِثْلَ حُجَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ! نَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ” (6)

“اے محمد! ہم نے آپ جیسی مستدل گفتگو نہیں دیکھی ہے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے برحق پیغمبر ہیں۔”

۲- قریش کے سرداروں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مناظرہ

عجیب و غریب واقعات میں ایک واقعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کے سرداروں کے درمیان ہونے والا درج ذیل مناظرہ (7) ہے:

ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور قرآنی آیات اور اسلامی احکام کی تعلیم میں مشغول تھے، اس موقع پر قریش کے چند مشرک اور بت پرست سردار جیسے: ولید بن مغیرہ، ابو الجحتری، ابو جہل، عاص بن اہل، عبد اللہ بن حذیفہ، عبد اللہ مخزومی، ابو سفیان، عتبہ اور شیبہ وغیرہ، تمام لوگ جمع ہو کر کہنے لگے کہ روز بروز محمد (ص) کا کام ترقی پر ہے لہذا ضروری ہے کہ ان کے پاس جا کر پہلے ان کی سرزنش اور ملامت کمریں اور پھر ان سے بحث و جدل کمریں اور ان کی باتوں کو رد کرتے ہوئے ان کے کھوکھلے پن اور بے بنیاد ہونے کو ان کے اصحاب اور دوستوں کے سامنے واضح کمریں، اگر انھوں نے ہماری باتیں سمجھ لیں اور اس انحراف اور کج روی سے باز آگئے تو ہم اپنے ہدف میں کامیاب ہو گئے، ورنہ تلوار کے ذریعہ ان کا کام تمام کر دیں گے۔

ابو جہل نے کہا: ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو ہماری طرف سے ان کے ساتھ جدل اور بحث و مناظرہ کرے؟

عبد اللہ مخزومی نے کہا: میں ان سے بحث کرنے کے لئے تیار ہوں، اگر مجھے کافی سمجھتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ابو جہل نے بھی اس کو پسند کیا، اور سب لوگ وہاں سے اٹھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے۔

عبدالمنعم نے گفتگو کا آغاز کیا اور اپنی گفتگو میں اعتراض بیان کرنے شروع کئے، ہر دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے جاتے تھے: ”کیا ابھی تمہاری گفتگو باقی ہے؟“، اور وہ کہتا تھا: ہاں، اور اپنی باتیں بیان کرتا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس نے کہا: ہاں بس اتنا کافی ہے، اگر آپ کے پاس کوئی جواب ہے تو ہم سننے کے لئے تیار ہیں۔
اس کی گفتگو میں دس عدد اعتراض درج ذیل ترتیب سے تھے:

۱۔ تم دوسرے لوگوں کی طرح کھانا کھاتے ہو، پیغمبر کو دوسرے لوگوں کی طرح کوئی چیز نہیں کھانا چاہئے۔

۲۔ تمہارے پاس کیونمال و دولت نہیں ہے، حالانکہ تمہیں خدا کے نمائندے اور ایک طاقتور بادشاہ کی طرح صاحب جاہ و ثروت ہونا چاہئے۔

۳۔ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہئے جو تمہاری تصدیق کرے، اور وہ فرشتہ ہمیں بھی دکھائی دے بلکہ مناسب ہے کہ پیغمبر کو بھی ملائکہ کی جنس سے ہو۔

۴۔ تم پر جادو کا اثر ہے، اور تم جادو ہوئے افراد کی طرح ہو۔

۵۔ قرآن کریم کسی مشہور و معروف شخص جیسے ”ولید بن مغیرہ مکی“ یا ”عروہ طائفی“ پر کیوں نازل نہیں ہوا۔

۶۔ ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ سخت اور پتھر یلی زمین سے پانی کا چشمہ جاری نہ کر دیں! اور خرما اور انگور کا باغ تیار نہ کر دیں تاکہ ہم لوگ اس چشمہ سے پانی پئیں اور اس باغ کے پھل کھائیں۔

۷۔ یا آسمان کو سیاہ بادلوں کی طرح ہمارے سروں پر نیچے لے آئیں۔

۸۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھائیں۔

۹۔ یاسونے سے بھرا ہوا گھر آپ کے پاس ہو!

۱۰۔ یا آپ آسمان پر جائیں اور خدا کی طرف سے کوئی خط لے کر آئیں تاکہ ہم اس کو پڑھیں (یعنی خدا مشرکین کے لئے خط لکھے کہ محمد (ص) میرے پیغمبر ہیں لہذا ان کی اطاعت کرو)

ان دس چیزوں کو انجام دینے کے بعد بھی ہم وعدہ نہیں کرتے کہ ہمارے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ آپ پیغمبر ہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ تمام کام آپ جادو اور چشم بندی کے ذریعہ انجام دیں۔

مشرکین کے اعتراضات اور خواہشوں کے مقابل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ مخزومی کی طرف رخ کر کے فرمایا:

۱۔ کھانا کھانے کے سلسلہ میں تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ صلاح اور اختیار خدا کے ہاتھوں میں ہے، وہ جس طرح چاہے حکومت کرے، اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، وہ بعض کو فقیر، بعض کو غنی، بعض کو عزیز اور محترم، بعض کو ذلیل و خوار، بعض و صحیح و سالم اور بعض کو بیمار کرتا ہے، (البتہ یہ تمام چیزیں انسان کی صلاحیت کی بنا پر ہیں) اس صورت میں ان میں سے کوئی شخص خدا پر اعتراض کا حق نہیں رکھتا۔

اور اگر کوئی شخص خدا پر اعتراض کرے تو وہ کافر ہے، کیونکہ خداوند عالم ہی تمام عالم کا صاحب اختیار ہے، وہی تمام چیزوں کی صلاح اور بھلائی کو بہتر جانتا ہے، جو انسان کے لئے خیر ہوتا ہے اس کو عطا کرتا ہے، اور سبھی کو اس کے حکم کے سامنے تسلیم رہنا چاہئے، جس شخص نے خدا کے حکم کی اطاعت کی وہ مومن ہے اور جس نے اس کے حکم کی مخالفت کی وہ گناہگار ہے اور اس کے لئے سخت سزائیں معین ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

“قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ” (8)

“(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک اکیلا ہے۔” جیسا کہ ہر انسان کو ایک خاص چیز سے مخصوص کیا ہے، جس طرح تمہیں فقیر، غنی، صحت مند، خوبصورت اور شریف وغیرہ کے بارے میں اعتراض کا حق نہیں ہے اور اس کا فرمانبردار رہنا ضروری ہے، اسی طرح نبوت اور رسالت کے سلسلہ میں بھی خدا کے فرمان کے سامنے سر تسلیم جھکانا چاہئے۔

۲۔ لیکن تم لوگوں کی یہ بات کہ ”کیوں تمہارے پاس مال و دولت نہیں ہے جبکہ تم خدا کے نمائندہ ہو، اور خدا کے نمائندہ کو بادشاہ روم و ایران کی طرح صاحب زر و سیم ہونا چاہئے اور سلطان روم اور سلطان ایران کی طرح صاحب جاہ و مقام اور مال و دولت ہونا چاہئے، بلکہ خدا کو اس سلسلہ میں سلاطین سے بھی زیادہ توجہ دینا چاہئے“، تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا یہ اعتراض خدا پر ہے، اور یہ اعتراض بے جا اور غلط ہے، کیونکہ خداوند عالم عالم اور خیر ہے، وہ اپنی تدبیر اور اپنے کاموں کی اچھائی کو جانتا ہے، اس میں دوسروں کی دخالت کی ضرورت نہیں ہے، خدا کا لوگوں کے ساتھ موازنہ نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ انبیاء کی بعثت کا مقصد لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دینا ہے، پیغمبر کو چاہئے کہ شب و روز لوگوں کی ہدایت کے لئے کوشاں رہے، اگر کوئی پیغمبر لوگوں کی طرح صاحب جاہ و مقام ہو (دوسرے مستکبروں اور صاحبان جاہ کی طرح) تو پھر عام انسان اور غریب عوام ان کے پاس نہیں آسکتے، کیونکہ مالدار افراد ہمیشہ اونچے محلوں میں رہتے ہیں اور اونچے اونچے محل غریب عوام کے درمیان فاصلہ کر دیتے ہیں، اور سادہ انسان ان سے ملاقات بھی نہیں کر سکتے۔

اس صورت میں بعثت انبیاء کا ہدف پورا نہیں ہو سکتا، اور انبیاء کی تعلیم و تربیت رک جائے گی، اور نبوت کا معنی مقام ظاہری جاہ و مقام سے آلودہ ہو کر بے اثر ہو جائے گا، جی ہاں جس وقت بادشاہ اور رئیس عوام الناس سے دور ہو جائیں تو پھر ملکی نظام درہم و برہم ہو جائے گا، نیز معاشرہ میں جاہل اور ناچار لوگوں کے لئے پریشانیاں کھڑی ہو جائیں گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ خداوند عالم نے مجھے جاہ و مقام اور مال و دولت نہیں دی ہے تاکہ میں تمہارے سامنے اپنی قدرت و طاقت کا مظاہرہ کرو، جبکہ خداوند عالم نے اپنے رسول کی نصرت و مدد کی ہے، اور اس کو دشمنوں اور مخالفوں پر فتح دی ہے، یہ بات خود نبی کی نبوت کے صادق ہونے پر دلیل ہے، اور قدرت خدا اور تمہارے عاجزی کی حکایت کر رہی ہے، (کہ اس نے اپنے پیغمبر کو بغیر مال و دولت اور فوج و سلطنت کے تم پر غلبہ عطا کیا) اور خداوند عالم بہت جلد ہی مجھے تم پر غلبہ عنایت کرے گا، تم لوگ میری ترقی کو نہیں روک سکتے، اور نہ ہی مجھے قتل کر سکتے ہو، میں بہت جلد ہی تم پر غلبہ کر لوں گا، تمہارے شہر میرے اختیار میں ہوں گے اور سبھی مخالف اور دشمن مومنین کے سامنے تسلیم اور شرمسار ہوں گے۔ (انشاء اللہ)

۳۔ اب رہی تمہاری یہ بات کہ ”میرے ساتھ کوئی فرشتہ ہو اور تم اس فرشتہ کو دیکھ کر میری تصدیق کرو بلکہ پیغمبر فرشتہ کے جنس سے ہو“ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتہ کا جسم ہوا کی مانند لطیف ہوتا ہے جو دید کے قابل نہیں ہوتا، اور اگر فرض کریں کہ تمہاری آنکھوں کی روشنی بڑھادی جائے تاکہ تم لوگ فرشتہ کو دیکھ سکو تو بھی تم لوگ کہو گے کہ یہ تو انسان ہی ہے نہ کہ فرشتہ، (یعنی وہ بھی انسان کی شکل میں ہوگا) تاکہ تم سے رابطہ برقرار رکھ سکے، تم سے گفتگو کر سکے، تاکہ اس کی باتوں اور اس کے ہدف کو سمجھ سکو، ورنہ تو تم کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ وہ فرشتہ ہے نہ کہ انسان، اور جو کچھ بھی کہہ رہا ہے وہ حق ہے۔

اس کے علاوہ خداوند عالم اپنے پیغمبر کو معجزہ دے کر بھیجتا ہے اور کوئی اس معجزہ کی مثل نہیں لاسکتا، اور یہی پیغمبر کے صادق ہونے کی نشانی ہے، لیکن اگر فرشتہ بھی معجزہ دکھائے تو پھر اس کو تم کیسے سمجھ سکتے ہو کہ اس فرشتہ نے جو اعجاز دکھایا ہے دوسرے فرشتے انجام دینے پر قادر نہیں ہیں؟! اس بنا پر فرشتہ کا نبوت کا دعویٰ کرنا خود اس کے معجزات کے ساتھ اس کے دعویٰ کی سچائی پر دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ فرشتوں کا معجزہ پرندوں کی پرواز کی مانند طرح پرواز کرنا ہے کہ جسے انسان انجام نہیں دے سکتا، لیکن یہی کام فرشتوں کے درمیان معجزہ نہیں ہے، اور اگر انسان بھی پرندوں کی طرح پرواز کرے تو یہ اس کے لئے معجزہ ہے۔

اور یہ بات بھی مد نظر رہے کہ خداوند عالم نے انسان کو نبی بنانے میں تم لوگوں کی سہولت کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ انسان سے بغیر کسی زحمت کے رابطہ برقرار کر سکتے ہوتا کہ وہ تم پر اپنے دلائل اور برہان واضح کر سکے، جبکہ تم لوگ اس طرح کے اعتراضات سے اپنی مشکل میں اضافہ کر رہے ہو، لوگ اس صورت میں حجت اور برہان تک نہیں پہنچ سکتے۔

۴۔ اب رہا تمہارا یہ کہنا کہ ”مجھ پر سحر و جادو کا اثر ہو گیا ہے“، تو یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ میں صحت عقل اور تشخیص کے لحاظ سے تم لوگوں پر برتری رکھتا ہوں، میں نے تمہارے درمیان اپنی عمر گزاری ہے شروع سے اب تک چالیس سال تمہارے درمیان زندگی بسر کی ہے، تم نے اس مدت میں چھوٹی سے چھوٹی غلطی، لغزش، جھوٹ، خیانت اور گفتگو و نظریہ میں ضعف نہیں دیکھا، کیا جو شخص تمہارے درمیان چالیس سال تک اپنے طاقت و قوت یا خدا کی طاقت و قوت سے صدق و صداقت اور صحیح راستہ پر قدم بڑھائے ہوں کیا اس کے لئے ایسی تہمت لگانا صحیح ہے؟! اسی وجہ سے خداوند عالم تمہارے جواب میں ارشاد فرماتا ہے:

”انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا“ (9)

”ذرا دیکھو کہ انھوں نے تمہارے لئے کیسی مثالیں بیان کی ہیں اور اس طرح ایسے گمراہ ہو گئے ہیں کہ کوئی راستہ نہیں مل رہا ہے۔“

۵۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ ”قرآن کریم کسی مشہور و معروف شخص جیسے ”ولید بن مغیرہ مکی“ یا ”عروہ طائفی“ پر کیوننازل نہیں ہوا“، تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خداوند عالم کے نزدیک جاہ و مقام کی کوئی قیمت اور اعتبار نہیں ہے، اور اگر دنیاوی لذتیں اور نعمتیں ایک مکھی کے پر کے برابر ارزش رکھتی ہوتیں تو پھر خداوند عالم ذرہ برابر بھی کافروں اور مخالفوں کو عطا نہ کرتا۔

اس کے علاوہ یہ تمام تقسیمات خداوند عالم کے قبضہ قدرت میں ہے، اس سلسلہ میں کسی کو کوئی اختیار، اعتراض اور شکوہ اور شکایت کا حق نہیں ہے، خداوند عالم اپنی نعمتوں کو اپنے لحاظ سے اور اپنی مرضی سے تقسیم کرتا ہے جس کو وہ چاہے بغیر کسی خوف کے عطا کرتا ہے، یہ تم لوگ ہو جو اپنے کاموں میں مختلف چیزوں کو مد نظر رکھتے ہو اور تمہارے کام ہو او ہوس اور لوگوں کے خوف سے ہوتے ہیں، نیز تمہارے کام حقیقت و عدالت کے برخلاف ہوتے ہیں تم لوگ بلا وجہ دوسروں کا احترام کرتے ہو

اور غلط راستہ پر چلتے ہو، لیکن خداوند عالم کے تمام کام حقیقت اور عدالت کے تحت ہوتے ہیں دنیاوی جاہ و مقام اس کے ارادہ میں ذرہ برابر بھی تاثیر نہیں رکھتے۔ یہ تم لوگ ہو کہ ظاہری لحاظ سے مشہور و معروف اور صاحبان حیثیت افراد کو پیغمبری کے لئے دوسروں سے زیادہ مستحق سمجھتے ہو، لیکن خداوند عالم نبوت و رسالت کو اخلاقی کمالات اور معنوی و روحی عظمت، حقیقت، فرمانبرداری اور خدمت گزاری کی بنیاد پر قرار دیتا ہے۔

ان کے علاوہ جیسا کہ میں نے کہا کہ خداوند عالم اپنے کاموں میں خود مختار ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر اس نے کسی کو دنیاوی نعمت یا ظاہری منزلت عطا کی ہے تو مقام نبوت بھی اسی کو عطا کرے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس کو خداوند عالم نے مال و دولت عطا کی ہے لیکن اس کو جمال اور خوبصورتی نہیں دی ہے اور اس کے برعکس اگر کسی کو جمال اور خوبصورتی دی ہے اس کو مال و دولت نہیں دی ہے۔۔۔ کیا ان میں سے کوئی خداوند عالم پر اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہے؟! (10)

۶۔ اور تمہارا یہ کہنا: ”ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک سخت اور پتھریلی زمین سے پانی کا چشمہ جاری نہ کر دیں! اور کھجوروں اور انگوروں کا باغ تیار نہ کر دیں تاکہ اس چشمہ سے پانی پئیں اور اس باغ کے پھل کھائیں“، تو تمہارا یہ تقاضا جہل و نادانی کی بنا پر ہے، کیونکہ سر زمین مکہ میں پانی کا چشمہ جاری کرنے اور باغ اگانے کا تعلق پیغمبری سے نہیں ہے، جیسا کہ تم لوگ شہر طایف میں زمین اور باغ کے مالک ہو لیکن نبوت کا دعویٰ نہیں کرتے ہو اور ایسے بہت سے لوگوں کو تم جانتے بھی ہو جنہوں نے زحمت اٹھا کر باغات لگائے اور چشمے بھی جاری کئے لیکن انہوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور اس طرح کے تمام کام معمولی کاموں میں شمار ہوتے ہیں اور اگر میں ایسا کروں بھی تب بھی یہ کام میری نبوت کے لئے دلیل نہیں بن سکتے۔

تمہارا یہ تقاضا اس طرح کا ہے کہ تم کہتے ہو ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ تم لوگوں کی طرح کھانا کھاتے ہو اور لوگوں کے ساتھ راستہ چلتے ہو اور اگر میں اپنی نبوت کے اثبات کے لئے اس طرح کے معمولی کام انجام دوں اور اس پر تکیہ کر لوں تو گویا میں نے لوگوں کو دھوکا دیا اور ان کی جہل و نادانی سے غلط فائدہ اٹھایا اور مقام نبوت کو ہیچ اور معمولی کام سمجھا جب کہ مقام نبوت فریب، جیلہ اور دھوکہ دھڑی سے بالکل پاک و پاکیزہ ہے۔

۷۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ ”آسمان کو بادل کی صورت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے سروں پر لے آؤں“ تو تمہیں یہ جان لینا چاہئے کہ آسمان کا نیچے کرنا تمہارے لئے ہلاکت کا سبب بنے گا جب کہ بعثت اور پیغمبری کا ہدف لوگوں کی راہنمائی، سعادت، خوشبختی اور خدا کی نشانیوں کی عظمت لوگوں کو واضح کرنا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حجت اور برہان کو خدا کے معین کرتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لوگ اپنی سطحی اور ظاہری فکر کی بنا پر ایسے تقاضے کریں جو نظام و مصلحت کے خلاف ہوں اس لئے کہ ہر شخص اپنی ہوا ہوس اور خواہش کی بنیاد پر تقاضے کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اگر ہر انسان کے تقاضے ایک دوسرے کے برخلاف ہوتے ہیں۔

کیا تم نے کسی ڈاکٹر کو دیکھا ہے کہ وہ مریض کا علاج کرتے وقت مریض کی خواہش کے مطابق نسخہ لکھے؟ یا کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ وہ کسی بات کا دعویٰ کرے لیکن دلیل اس کے منکر کی خواہش کے مطابق لائے؟ یہ بات مسلم ہے کہ اگر علاج میں ڈاکٹر مریض کا پیرو ہو تو مریض کی بیماری کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر مدعی اس بات پر مجبور ہو کہ اپنے مخالفوں کی خواہش کے مطابق اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے دلیل لائے تو اس صورت میں کسی ایک کی بھی بات ثابت نہیں ہوگی، اور مظلوم و ناپچار اور سچے افراد کی بات کبھی ظالم اور جھوٹے انسان کے سامنے ثابت نہیں ہو سکے گی۔

۸۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ ”خدا اور فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے حاضر کرو تا کہ ہم انہیں دیکھ سکیں“ تو تمہاری یہ بات بے بنیاد اور غیر منطقی ہے یہ چیز بالکل محال ہے کیونکہ خداوند متعال اس صفت سے پاک ہے جس کے ذریعہ اسے دیکھا جا سکتا ہے بلکہ وہ مخلوقات کی تمام صفات سے پاک و پاکیزہ ہے۔

تم خداوند متعال کو ان بتوں سے تشبیہ دیتے ہو جن کی تم پرستش کرتے ہو اور ان سے اسی طرح کا تقاضا کرتے ہو ان بتوں میں بے حد نقص و ضعف پائے جاتے ہیں اور یہ (بت) تمہارے ان تقاضوں کے لئے مناسب ہیں نہ کہ خداوند پاک۔

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے ایک ایسی مثال پیش کی جو بہت ہی واضح اور اچھی طرح مفہوم کو سمجھانے والی تھی کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ خدا کو دکھانا محال نہیں ہے تو بھی ان کی یہ بات معقول نہیں ہے، وہ مثال یہ ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ مخزومی سے کہا: ”کیا مکہ میں تمہارے پاس زمین و جاندار اور باغ وغیرہ ہے؟ اور اس کی دیکھ بھال کے لئے اپنی طرف سے کوئی نمائندہ بنایا ہے یا نہیں؟“

عبد اللہ: ”ہاں میرے پاس باغ و زمین اور نمائندہ ہے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”کیا تم خود باغ و زمین کی دیکھ بھال کرتے ہو یا نمائندے کے ذریعہ کراتے ہو۔“

عبد اللہ: نمائندہ کے ذریعہ۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”اگر ایک نمائندہ کو زمین اجارہ دو یا بیچ دو تو کیا دوسروں کا یہ اعتراض کرنا اور یہ کہنا بجائے کہ ہم خود مالک سے رابطہ کریں گے اور ہم تمہاری نمائندگی اس وقت قبول کریں گے جب تمہارا مالک خود نہ آجائے اور تمہاری باتوں کی تصدیق نہ کرے؟“

عبد اللہ: ”دوسرے لوگ اس طرح کا اعتراض نہیں کر سکتے۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”ہاں یہ ضروری ہے کہ تمہارے نمائندہ کے پاس کوئی ایسی دلیل ہونا چاہئے کہ جس سے پتہ چلے کہ وہ واقعی تمہارا نمائندہ ہے، اب تم یہ بتاؤ کہ اس کے پاس کیا ہونا چاہئے جس سے اس کی نمائندگی ثابت ہو کیونکہ یہ بھی مسلم ہے کہ بغیر کسی دلیل کے اس کی نمائندگی کی لوگ تصدیق نہیں کریں گے۔“

عبداللہ: ”بے شک اس کے پاس کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہونا چاہئے۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”اگر لوگ اس کی سچی دلیل کو قبول نہ کریں تو کیا وہ اس بات پر حق رکھتا ہے کہ اپنے مالک کو لوگوں کے سامنے حاضر کرے اور اس پر یہ فریضہ عائد کرے کہ تم ان کے سامنے حاضر ہو؟ سچ بتاؤ کیا کوئی عقلمند نمائندہ اس طرح اپنے مالک کے لئے کر سکتا ہے؟“

عبداللہ: ”نہیں اسے چاہئے کہ وہ اپنے فرائض پر عمل کرے اور اسے یہ حق نہیں کہ وہ مولا پر کوئی حکم لگائے۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”جب تم ان تمام باتوں کا اعتراف کر رہے ہو تو کس طرح خدا کے نمائندے اور رسول کے لئے انہیں باتوں پر اصرار کرتے ہو کہ رسول کو چاہئے کہ اپنے مولا کو ہم لوگوں کے سامنے پیش کرے، میں بھی خداوند متعال کے نمائندہ اور رسول سے زیادہ کچھ نہیں ہوں، میں کس طرح اپنے مولا (خدا) پر کوئی حکم لگا سکتا ہوں اور اس کے لئے کوئی فریضہ معین کر سکتا ہوں کیونکہ خداوند متعال پر کسی طرح کا کوئی حکم لگانا رسالت کی ذمہ داری کے خلاف ہے۔“

اور اس طرح تمہارے تمام سوالوں کے جوابات جیسے فرشتوں کو حاضر کرنا وغیرہ واضح ہو جاتے ہیں۔

۹۔ اور تم نے جو یہ کہا کہ میرے پاس سونے سے بھرا ہوا گھر ہونا چاہئے تو یہ بھی بالکل بے بنیاد بات ہے کیونکہ دولت و ثروت، سونا اور چاندی سے مقام رسالت کو کوئی تعلق نہیں ہے مثال کے طور پر بادشاہ مصر کے پاس سونے سے بھرا ہوا گھر ہے تو کیا وہ اسی دلیل سے نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے؟“

عبداللہ: ”نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میرے پاس بھی سونا چاندی ہونا میری پیغمبری کے سچائی پر کوئی دلیل نہیں بن سکتا ہے میں خدا کی حجتوں اور نشانیوں کو چھوڑ کر ایسی بے بنیاد دلیل کے ذریعہ کم علم اور نادان لوگوں پر اپنی رسالت ثابت نہیں کر سکتا۔“

۱۰۔ اور تمہارا کہنا کہ ”میں آسمان پر جاؤں اور خدا کی طرف سے تمہارے لئے ایک خط ملاؤں“ تو اس طرح کی باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ تم لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو حق قبول کرے کیونکہ تم لوگ صرف آسمان پر جانے سے اکتفا نہیں کر رہے ہو بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہو کہ ہمارے لئے آسمان سے خط بھی لایا جائے۔

یہ بات مسلم ہے کہ اگر میں خط بھی ملاؤں تو بھی تم اسے قبول نہیں کرو گے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر میں ان تمام کاموں کو انجام دے بھی دوں تب بھی یہ ممکن ہے کہ تم لوگ ایمان نہ لاؤ، لیکن یہ جان لو کہ اس بغض و عناد کا نتیجہ صرف عذاب ہے اور تم لوگ اپنے ان کاموں کی وجہ سے اس بات کے مستحق ہو کہ خداوند متعال تمہیں عذاب میں مبتلا کرے۔

تمہارے تمام سوالوں کے جواب خداوند متعال کے صرف اس جملہ میں خلاصہ کے طور پر بیان ہو جاتے ہیں “میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں اور خدا کی طرف سے اس بات کے لئے معین کیا گیا ہوں کہ تم تک اس کے احکام پہنچاؤں، (11) اور میرے پاس یہی قرآن معجزہ اور میری نبوت کی دلیل ہے اور میں تمہارے بے جا تقاضوں کی وجہ سے خدا پر نہ کوئی حکم لگا سکتا ہوں اور نہ کسی بھی طرح کی اس پر تکلیف عائد کر سکتا ہوں۔”

ابو جہل کا سوال

ابو جہل نے کہا: “کیا تم یہ نہیں کہتے کہ جب قوم موسیٰ نے اس بات کی خواہش کی کہ موسیٰ انھیں اپنا خدا دکھائیں تو خداوند عالم ان پر غضبناک ہو اور بجلی کے ذریعہ انھیں خاکستر کر دیا۔؟”

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: “کیوں نہیں، ایسا ہی ہے۔”

ابو جہل: “ہم قوم موسیٰ سے بلند اور بڑی خواہش رکھتے ہیں ہم ہرگز اس وقت تک نہیں ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم اپنے خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے حاضر نہیں کرو گے، اب تم ہماری اس خواہش کی بنا پر اپنے خدا سے کہو کہ وہ ہمیں جلادے یا نابود کر دے۔”

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: “کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستان میں یہ نہیں سنا ہے کہ وہ مقام و عظمت میں بہت ہی بلند تھے اور خداوند متعال نے انھیں خاص بصیرت عطا کی تھی کہ وہ زمین پر لوگوں کے ظاہری اور باطنی اعمال کا مشاہدہ کرتے تھے، اسی دوران جناب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک مرد اور عورت زنا کر رہے ہیں، آپ نے ان کے لئے بددعا کی وہ ہلاک ہو گئے، پھر دیکھا کہ دوسرے مرد و عورت زنا کر رہے ہیں ان کے لئے بھی بددعا کی وہ بھی ہلاک ہو پھر تیسرے مرد و عورت کو دیکھا کہ یہ بھی زنا میں مشغول ہیں ان کے لئے بھی بددعا کی وہ بھی ہلاک ہو گئے، اس کے بعد

خداوند عالم نے ان پر وحی کی کہ اے ابراہیم! بددعا نہ کرو دنیا ہمارے اختیار میں ہے تمہارے اختیار میں نہیں۔

گنہگار بندوں کی تین حالتوں سے زیادہ چوتھی حالت نہیں ہوتی ہے، یا توبہ کرتے ہیں اور میں انھیں بخش دیتا ہوں یا ان کی آئندہ آنے والی نسلوں میں کوئی بندہ مومن ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں انھیں مہلت دے دیتا ہوں اور پھر میرا عذاب انھیں گھیر لیتا ہے اور ان دو صورتوں کے علاوہ جتنے بڑے عذاب کا تم تصور کر سکتے ہو اسے میں نے ان کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔”

اے ابو جہل! اسی وجہ سے خداوند عالم نے تجھے مہلت دی ہے کہ تیری نسل میں ایک مومن پیدا ہوگا جس کا نام عکرمہ ہوگا۔ (12)

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کرنے والے اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، لیکن اس کے باوجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل صبر و حوصلہ سے ان کی تمام باتیں سنیں اور نہایت

سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ان کا جواب دیا اور ایک تفصیلی اور استدلالی بحث کے ساتھ اپنی حجت تمام کر کے اسلام کی منطقی اور اخلاقی روش کا ثبوت دیا۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہودی دانشوروں سے مناظرہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے یہودیوں کی مذہبی محفلوں میں آپ کی علامتوں کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ یہودی علماء توریت کی آیتوں کی بنیاد پر آنحضرت کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتے تھے اور بڑے ہی اعتماد کے ساتھ اس طرح کے پیغمبر کے آنے کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے۔

اور یہ تمام علامتیں اور نشانیاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور آپ کے کاموں سے مطابقت کر گئیں یہودیوں کے بزرگ مذہبی افراد اس فکر میں رہتے تھے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کر کے انھیں اپنی طرف کھینچ لیں اور نتیجہ میں ان کے اطراف کی مذہبی قدرت کو حاصل کر لیں لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی تو بڑی تیزی سے اسلام پھیلا اور یہودیوں کی طاقت سے زیادہ پیغمبر کو قدرت و طاقت حاصل ہوئی اور اسلام کے منتقل ہونے کی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی صورت میں اس بات پر راضی نہیں تھے کہ یہودیوں کے پرچم تلے اپنی زندگی گزاریں یہی بات یہودیوں کی محفلوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا سبب بنی۔

یہودیوں نے طرح طرح سے اسلام کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ سورہ بقرہ اور سورہ نساء کی آیتوں میں ان کا اسلام سے بغض و عناد بیان ہوا ہے مثلاً ان کے کاموں میں سے ایک کام یہ تھا کہ وہ ”اوس“ و ”خزرج“ کے درمیان ۱۲۰ سالہ پرانے اختلاف (13) کو پھر سے ابھاریں اور مسلمانوں کی متحدہ صفوں کو انتشار کا شکار بنائیں لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی ہوشیاری نے ان کے اس عزم و ارادہ کو خاک میں ملادیا اور اسی طرح ان کی بہت سی دوسری سازشوں کو بھی پورا نہیں ہونے دیا۔

ایک راستہ جس کے ذریعہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو مغلوب کرنا چاہتے تھے وہ مناظرہ یا آزادانہ بحث (14) بھی تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو ہنسی خوشی قبول کر لیا وہ آئے اور پیغمبر سے مجادلہ اور پیچیدہ سوال کر کے انھیں لاجواب بنا دینا چاہتے تھے لیکن اس آزاد بحث سے خود انھیں ہی نقصان اٹھانا پڑا، اور لوگوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمی مقام اور غیبی اطلاعات کی آگاہی حاصل ہوئی جس کی وجہ سے بعض یہودی اور بت پرست اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔

لیکن وہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحث سے قانع ہونے کے باوجود بڑی دلیری کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم تمہاری باتوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں: ”قُلُوبُنَا غُلْفٌ“ (15) ہمارے دلوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔

یہودیوں کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناظرے اور مجادلے بہت ہیں جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی ہی ہمت کے ساتھ انجام دیا اور ان کی قضاوت و فیصلے نے پوری دنیا کو دعوت فکری دی۔

بطور نمونہ ان میں سے صرف دو یہ مناظرے ملاحظہ فرمائیں:

پہلا نمونہ

جب عبد اللہ بن سلام ایمان لے آیا:

یہودیوں کے بزرگ علماء میں سے ایک مشہور و معروف عالم دین جس کا نام ”عبد اللہ بن سلام“ اور یہودی قبیلہ بنی قینقاع سے تعلق رکھتا تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے پہلے سال ایک روز عبد اللہ بن سلام (16) آپ کی نشست میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ اپنے موعظہ میں اس طرح کی چیزیں بیان کر رہے ہیں۔

”اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو اور ان تک کھانا پہنچاؤ، اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہو، ادھی رات کو جب ساری دنیا سو جایا کرے تو اٹھ کر نماز شب پڑھو اور خداوند متعال سے راز و نیاز کرو تاکہ سلامتی کے ساتھ خداوند متعال کی بہشت میں داخل ہو سکو۔“

عبد اللہ نے دیکھا کہ آپ کی باتیں اچھی ہیں جس کے وجہ سے وہ اس نشست کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے اس میں شرکت کا ارادہ کر لیا (17) ایک روز عبد اللہ نے مذہب یہود کے چالیس بزرگ علماء کے ساتھ مل کر یہ طے کیا کہ ہم پیغمبر کے پاس جا کر ان کی نبوت کے بارے میں بحث کریں اور انہیں زیر کریں۔

اس ارادے سے جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے عبد اللہ بن سلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ”میں بحث کے لئے تیار ہوں۔“

یہودیوں نے موافقت کی اور بحث و مناظرہ شروع ہوا، تمام یہودی پیغمبر پر پیچیدہ سوالوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے، آپ ایک ایک کر کے ان جواب کا دیتے، یہاں تک کہ ایک روز عبد اللہ بن سلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تنہا حاضر ہوا اور کہنے لگا: ”میرے پاس تین سوال ہیں جن کا جواب پیغمبر کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا، کیا اجازت ہے کہ میں انہیں بیان کروں؟“

عبد اللہ نے سوال کیا: ”مجھے بتائیے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ جنت کی خاص غذا کیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ بیٹا کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ابھی جبرئیل تمہارے جوابات خدا کی طرف سے لارہے ہیں اور میں تمہیں بتاؤں گا۔“

جیسے ہی جبرئیل کا نام درمیان میں آیا عبد اللہ نے کہا: ”جبرئیل تو یہودیوں کا دشمن ہے کیونکہ اس نے متعدد مقامات پر ہم سے دشمنی کی ہے۔ بخت نصر جبرئیل کی فوج کی وجہ سے ہم پر غالب ہوا اور شہر بیت المقدس میں آگ لگا دی۔۔۔۔ وغیرہ۔“

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں سورہ بقرہ کی ۹۷ ویں آیت کی تلاوت فرمائی جس کا مطلب یہ ہے:

”جبرئیل جنہیں تم اپنا دشمن سمجھتے ہو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے اور انہوں نے قرآن کو خدا کے اذن سے قلب پیغمبر پر نازل کیا ہے وہ قرآن جو ان کتابوں سے مطابقت رکھتا ہے جن میں رسول خدا کی نشانیوں کا تذکرہ ہے، وہ ان کی تصدیق کرنے والا ہے، فرشتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اگر کوئی ان میں سے کسی ایک سے دشمنی رکھتا ہے تو گویا وہ تمام فرشتوں، پیغمبروں اور خدا کا دشمن ہے کیونکہ فرشتے اور پیغمبر سب کے سب خدا کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔“ (18)

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ کے جواب میں فرمایا:

”قیامت کی پہلی علامت دھونیں سے بھری ہوئی آگ ہے جو لوگوں کو مشرق و مغرب کی طرف لے جائے گی اور جنت کی خاص غذا مچھلی کا جگر اور اس کا اضافی ٹکڑا ہے جو نہایت ہی اچھی اور لذیذ ترین غذا ہے، اور تیسرے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:

”انعتاد نطفہ کے وقت عورت یا مرد کے نطفہ میں جس کا نطفہ غلبہ پا جاتا ہے بچہ اسی کی شبیہ ہوتا ہے، اگر عورت کا نطفہ مرد کے نطفہ پر غالب آگیا تو بچہ ماں کی طرح ہوگا اور اگر مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب آگیا تو بچہ باپ کی طرح ہوگا۔“

عبد اللہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان جوابوں کی تطبیق جب توریت اور انبیاء سابق کی خبروں سے کی تو یہ تمام جوابات صحیح ثابت ہوئے، جس کے نتیجے میں اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کیا۔

اس وقت عبد اللہ بن سلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ”میں یہودیوں میں سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہوں اور بہت ہی پڑھے لکھے شخص کا بیٹا ہوں اگر انہیں میرے اسلام قبول کرنے کی خبر ہو گئی تو وہ مجھ کو جھٹلائیں گے، لہذا ابھی آپ میرے ایمان کو پنہاں رکھئے تاکہ آپ یہ معلوم کر سکیں کہ یہودی میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں۔“

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرصت کو غنیمت جان کر کہ عبد اللہ کا اسلام لانا مجاہدہ اور آزاد بحث کے لئے خود ایک طرح کی دلیل بن سکتا ہے، چنانچہ عبد اللہ بن سلام کو وہیں قریب میں پردے کی آڑ میں بٹھا دیا یہودیوں سے گفتگو کے دوران پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”میں پیغمبر ہوں خدا کو حاضر ناظر جانو اور ہوا ہوس کو ترک کر کے اسلام قبول کر لو۔“

جواب میں کہا گیا: ”دین اسلام کے صحیح ہونے کے بارے میں ہم بالکل بے اطلاع ہیں۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”تمہارے درمیان عبد اللہ بن سلام کیسا شخص ہے؟“

گروہ یہود: ”وہ ہمارا رہبر اور ہمارے رہبر کا بیٹا ہے وہ ہمارے درمیان ایک بہت ہی پڑھا لکھا شخص ہے۔“
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”وہ اگر مسلمان ہو جائے تو کیا تم لوگ اس بات پر تیار ہو کہ اس کا اتباع کرو؟“
گروہ یہود: ”وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوگا۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ کو آواز دی، عبد اللہ بن سلام پردے سے باہر لوگوں کے سامنے حاضر ہو کر کہنے لگا: ”اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ۔“

اے گروہ یہود! خدا سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ جب تم جانتے ہو کہ وہ پیغمبر خدا ہے تو تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟“
یہودیوں نے ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کی تعریف کی تھی مگر اب وہ اسے بدترین شخص اور ذلیل آدمی کا بیٹا بتانے لگے۔
آپ کا یہ طرز استدلال نہایت عمدہ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنا منہ چھپانے لگے لیکن درحقیقت وہ شکست کھا چکے تھے، عبد اللہ کے لئے اگرچہ اسلام اس زمانہ میں بہت دشوار ثابت ہوا لیکن وہ حقیقتاً اسلام لایا تھا، اسی لئے آنحضرت نے اس کا نام عبد اللہ رکھا تھا (19) اس کا ایمان قبول کرنا بعد میں اور دوسرے ایمان لانے والوں کے لئے ہی موثر ثابت ہوا، ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک یہودی دانشور جس کا نام ”مخیرق“ تھا وہ بھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ایمان لے آیا۔ (20)

دوسرا نمونہ

۴۔ قبلہ کے سلسلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہودیوں سے مناظرہ

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بیت المقدس (یہودیوں کے قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی آپ ۱۶ مہینے تک بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔
اسلام دشمن یہودیوں نے اسلام کو برا بھلا کہنے اور اسے بے اہمیت کرنے کے لئے ایک اچھا بہانہ تلاش کر لیا اور کہنے لگے: ”محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مستقل شریعت لائے ہیں جبکہ ان کا وہی قبلہ ہے جو یہودیوں کا قبلہ ہے۔“

اس طرح کے اعتراضات سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رنجیدہ خاطر ہوئے آنحضرت راتوں کو گھر سے باہر آتے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے وحی کے منتظر رہتے تھے یہاں تک کہ سورہ بقرہ کی ۱۴۴ ویں آیت نازل ہوئی جس میں قبلہ کی جہت بیت المقدس سے بدل کر خانہ کعبہ کی طرف کر دی گئی۔

ہجرت کے ۱۶ ماہ بعد نیمہ رجب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابیوں کے ساتھ مسجد بنی سلمہ (جو مسجد احزاب سے ایک کلومیٹر شمال کی طرف واقع ہے) میں ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے، دو رکعت نماز تمام ہونے کے بعد جبرئیل سورہ بقرہ کی ۱۴۴ ویں آیت لے کر نازل ہوئے:

“قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ” (21)

“اے رسول ہم آپ کی توجہ کو آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں تو ہم عنقریب آپ کو اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں لہذا آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی جہت کی طرف موڑ دیجئے اور جہاں بھی رہتے اس طرف رخ کیجئے۔”
تو آپ حالت نماز ہی میں کعبہ کی طرف پلٹے اور دو رکعت نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی، اسی طرح آپ کی اقتداء کرنے والوں نے بھی کیا، اور اسی نماز کی وجہ سے مسجد بنی سلمہ کو مسجد “ذو قبلتین” کہا جانے لگا۔

اس واقعہ کے بعد یہودی ہر جگہ قبلہ بدلنے کے سلسلہ میں اعتراض اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان طے پایا کہ وہ ایک جلسے میں اس موضوع پر آزادانہ طور پر بحث کریں، اس جلسہ میں چند یہودیوں نے شرکت کی اور جلسہ کی شروعات یہودیوں نے کی اور سوال کی صورت میں انھوں نے اس طرح کہا: “آپ کو مدینہ آنے اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے ایک سال سے زیادہ ہو گیا لیکن اب آپ بیت المقدس سے رخ موڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھ رہے ہیں آپ ہمیں اس کا جواب دیں کہ آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ درست تھیں یا باطل؟ اگر وہ درست تھیں تو لا محالہ آپ کا دوسرا عمل باطل ہے اور اگر باطل تھیں تو ہم کس طرح آپ کے دوسرے اعمال (جو بدلنے کی صورت میں ہیں) پر مطمئن ہوں کہ اس طرح آپ کا یہ قبلہ بھی باطل نہ ہو؟”

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: “دونوں قبلے اپنے موقع کے لحاظ سے درست اور حق ہیں ان چند مہینوں میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا حق تھا اور اب ہم خدا کی طرف سے اس بات پر مامور کئے گئے ہیں کہ خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دیں،” اور خدا کے لئے مشرق و مغرب ہیں تم جس طرف بھی رخ کرو وہاں خدا ہے اور بیشک خدا بے نیاز اور دانا ہے۔” (22)

گروہ یہود: “اے محمد! کیا خدا کے لئے بداء واقع ہوا؟ (یعنی ایک کام گزشتہ زمانہ میں اس پر مخفی تھا اور اب ظاہر ہو گیا اور اس نے اپنے پہلے حکم سے پشیمان ہو کر دوسرا حکم دیا ہے) اور اس بنا پر اس نے تمہارے لئے نیا قبلہ معین کیا؟ اگر اس طرح کی بات کرتے ہو تو گویا تم نے خداوند متعال کو عام انسانوں کی طرح نادان تصور کر لیا۔”

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خدا کے یہاں بداء اس معنی میں نہیں پایا جاتا ہے، خدا ہر چیز سے آگاہ اور قادر مطلق ہے اس سے کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی جسکی وجہ سے وہ پشیمان ہو اور تجدید نظر کرے نیز اس کے راستہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی جس کی وجہ سے وہ اوقات میں تبدیلی کرے، میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ “کیا مریض صحت یاب

نہیں ہوتا یا تندرست آدمی غمگین اور سرریض نہیں ہوتا؟ یا زندہ مرتا نہیں اور موسم گرما موسم سرما میں تبدیل نہیں ہوتا؟ کیا خداوند متعال اس طرح کے تمام امور میں تبدیلی لاتا رہتا ہے تو اس کے یہاں بداء واقع ہوتا ہے؟”

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: قبلہ کی تبدیلی بھی انہیں چیزوں میں سے ہے خداوند متعال ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اپنے بندوں کی فلاح و بہبود کے لئے خاص حکم رکھتا ہے جو شخص بھی اطاعت کرے گا جزا کا مستحق ہوگا ورنہ اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، اس کی تدبیر اور مصلحت میں کسی کو مخالفت کرنے کا حق نہیں۔⁽²³⁾

اور تم سے میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا تم سنیچر کے دن اپنے تمام کاموں کی چھٹی نہیں کرتے ہو اور پھر اتوار سے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہو اس میں سے تمہارا کون سا عمل صحیح ہے کیا پہلا درست ہے اور دوسرا باطل ہے یا دوسرا صحیح ہے اور پہلا باطل یا دونوں صحیح یا دونوں باطل؟
گروہ یہود: ”دونوں صحیح ہیں۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”میں بھی اسی طرح کہتا ہوں کہ دونوں حق ہیں چند ماہ اور چند سال پہلے بیت المقدس کی طرف قبلہ قرار دینا صحیح تھا لیکن آج کعبہ کو قبلہ سمجھنا صحیح ہے۔“

تم لوگ بیماروں کی طرح ہو اور تمہارا طبیب حاذق خدا ہے اور بیماروں کی صحت اور عافیت اس میں ہے کہ وہ طبیب حاذق کی پیروی کرے اور اس کے حکم کو اپنے ہو او ہوس پر مقدم کریں۔“
اس مناظرہ کے ناقل امام حسن عسکری علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ روز اول سے ہی کعبہ مسلمانوں کا قبلہ کیوں نہیں ہوا؟“

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: ”خداوند متعال نے قرآن میں سورہ بقرہ کی ۱۴۳ ویں آیت میں اس کا جواب دیا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی:

”اور تحویل قبلہ کی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو اور پیغمبر تمہارے اعمال کے گواہ رہیں اور ہم نے پہلے قبلہ کو صرف اس لئے قبلہ بنایا تھا کہ دیکھیں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون پچھلے پاؤں پلٹ جاتا ہے اگرچہ قبلہ ان لوگوں کے علاوہ سب پر گراں ہے جن کی اللہ نے ہدایت کردی ہے اور خدا تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرنا چاہتا، وہ بندوں کے حال پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔“

اس آیت میں مومنین کے لئے یہ حکم آیا ہے کہ ہم مشرکین سے مومنین کو جدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ پہچانے جائیں اور ان کی صفیں جدا اور الگ ہوں، خداوند متعال نے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ اس لئے قرار دیا تھا کیونکہ اس زمانہ میں خانہ کعبہ مشرکین کے بتوں کا مرکز تھا اور مشرکین جا کر ان کے سامنے سجدہ کرتے تھے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت

فرمائی اور وہاں ایک مستقل حکومت کی تشکیل دی تو مسلمانوں کی صفیں خود بخود مشرکوں سے الگ تھلگ ہو گئیں۔⁽²⁴⁾ اور اب اس چیز کی ضرورت نہیں رہی کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف سر جھکائیں، لہذا مسلمانوں نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا، یہ بات بھی واضح ہے کہ بیت المقدس کی طرف خداوند عالم نے سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ نئے نئے مشرک جو مسلمان ہوئے تھے ان کے لئے اپنی عادتیں چھوڑنا ایک بہت ہی مشکل کام تھا کیونکہ ابھی ان میں پرانے رسوم باقی تھے اور جب تک انسان میں یہ قوت و صلاحیت نہ پیدا ہو کہ وہ اپنی عادت اور خرافات کو باآسانی ترک کر سکے وہ حق کی طرف مائل نہیں ہو سکتا لہذا جب انھیں پوری طرح آزمایا گیا تو انھیں بیت المقدس کی طرف سے ہٹا کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، اور درحقیقت شروع شروع میں بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا اسلام کی ایک فکری اور معنوی تحریک تھی جس کے ذریعہ اسلام نے مشرکین کی پرانی عادتوں کو ختم کر دیا، لیکن مدینہ میں اس طرح کی مصلحتیں نہیں پائی جاتی تھیں یا کعبہ کی طرف رخ کرنے میں زیادہ مصلحتیں تھیں۔⁽²⁵⁾

۵۔ قرآن مجید پر اعتراض اور اس کا جواب

ایک روز کچھ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ”ہم قرآن کے سلسلہ میں چند اعتراضات لے کر حاضر ہوئے ہیں۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اپنے اعتراضات بیان کرو۔“

ایک نے کہا: ”آیا آپ خدا کے رسول ہیں؟“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں۔“

گروہ: ”سورہ انبیاء کی ۹۸ ویں آیت میں خدا فرماتا ہے:

”إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ“

”یاد رکھو کہ تم لوگ خود اور جن چیزوں کی تم پرستش کر رہے ہو سب کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔۔۔۔۔“

”ہمارا اعتراض یہ ہے کہ اس مفہوم کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اہل دوزخ ہوئے کیونکہ کچھ لوگ ان کی بھی عبادت

کرتے ہیں۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنجیدگی اور متانت سے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا:

”قرآن عرب کی رائج زبان کے مطابق نازل ہوا ہے عربی زبان میں لفظ ”من“ اکثر ذوالعقول (وہ افراد جو عقل رکھتے ہیں) کے

لئے اور لفظ ”ما“ غیر ذوالعقول (حیوانات، جمادات اور اشجار) کے لئے استعمال ہوتا ہے تم جس آیت کے سلسلہ میں اعتراض کر

رہے ہو اس میں لفظ ”ما“ استعمال ہوا ہے جس سے مراد عقلاء نہیں بلکہ وہ معبود ہیں جو عقل نہیں رکھتے جیسے بت جنھیں مٹی، لکڑی اور پتھر سے بنایا جاتا ہے، اس طرح آیت کے معنی یہ ہوں گے:

”غیر خدا کی عبادت کرنے والے لوگ جنھیں تم نے اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کے معبود بنا رکھا ہے وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔“

وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب سے مطمئن ہو گئے اور آپ کی تصدیق کر کے رخصت گئے۔⁽²⁶⁾

۶۔ چوبیس منافقوں کی سازش اور آنحضرت کا ان سے مناظرہ

منافقوں کی ہر زمانہ میں یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششیں حکومت و اقتدار کے حصول میں صرف کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی ہمدردی کی آڑ میں عوام کے درمیان مقبولیت پیدا کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

اسی وجہ سے وہ ہمیشہ رہبری اور حکومت کے مسئلے میں بہت ہی چوکنا رہتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں مناسب موقع دیکھ کر مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی رہبری کا اعلان کر دیا، لیکن منافقوں کی کوشش یہ تھی کہ رہبری اور حکومت کے سلسلہ میں علی اور پیغمبر پر چند ایسے حملے کئے جائیں جس سے یہ عہدہ ان کے خاندان سے نکل کر کہیں اور چلا جائے۔

جنگ تبوک میں منافقوں کی ایک سازش یہ تھی کہ وہ اپنا خفیہ منصوبہ کے ذریعہ علی علیہ السلام اور پیغمبر کو قتل کر دیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی ایک خفیہ میننگ بلائی جس میں یہ طے پایا کہ اس وقت مسلمان جنگ میں سرگرم ہیں لہذا کچھ لوگ علی علیہ السلام کے قتل کے لئے مدینہ میں رک جائیں اور کچھ لوگ جنگ تبوک میں شرکت کریں اور مناسب موقع پر دیکھ کر وہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں۔

پیغمبر کی قیادت میں ۱۰ ہزار سواروں اور ۲۰ ہزار پیادہ افراد پر مشتمل لشکر اسلام تھا جنگ تبوک کے لئے روانہ ہو گیا، کچھ لوگ اپنی سازش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مدینہ ہی رک گئے اور بقیہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے روانہ ہو گئے یہ خبر پیغمبر تک پہنچ چکی تھی کہ رومی فوج پیادہ اور سوار ملا کر چالیس ہزار افراد پر مشتمل ہے شام کی سرحد پر پہنچ چکی ہے اور اس فکر میں ہے کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جائے اگرچہ یہ جنگ مختلف جہات سے جیسے گرمی کی شدت، طویل مسافت دشمنوں کی کثرت، پانی اور غذا کی قلت کی وجہ سے بہت ہی دشوار تھی اسی وجہ سے اس کو جیش العسرة کہا گیا ہے، لیکن مسلمان استقامت اور وہ

ایمان توکل اور بلند ہمتی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپہ سالاری میں آگے بڑھے اور مدینہ و تبوک کے درمیانی طویل راستہ طے کیا اور نویں ہجری کے ماہ شعبان کے اوائل میں سرزمین تبوک پہنچ گئے یہ دیکھ کر روم کی فوج خوف کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئی اور جنگ نہ ہو سکی ایسے موقع پر حکومت و اقتدار کے لالچی منافقین علی علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد علی علیہ السلام کو اس جنگ میں اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور انھیں مدینہ میں چھوڑ گئے تھے، تاکہ وہ پیغمبر کی غیر موجودگی میں مدینہ کی حفاظت کریں۔

حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی کی وجہ سے جب منافقوں کی سازش تیس ہزار مسلمانوں کی غیر حاضری کے باوجود کامیاب نہ ہو سکی تو انھوں نے افواہوں کی مدد سے فتنہ کھڑا کرنا چاہا وہ کہنے لگے کہ علی علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اختلاف ہو گیا اور پیغمبر ان کی ہم نشینی سے بیزار ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے انھیں اپنے ساتھ جنگ میں نہیں لے گئے وغیرہ۔۔۔ منافق اپنی اس بزدلانہ تہمت کے ذریعہ علی علیہ السلام کی قیادت و رہبری کی مجروح کرنا چاہتے تھے علی علیہ السلام اس غلط پروپیگنڈہ سے سخت ناراض ہوئے اور مدینہ چھوڑ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو مدینہ کے حالات سے مطلع کیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

“اما ترضی ان تکون منی بمنزلة ہارون من موسیٰ الا انه لانی بعدی۔”

“کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو نسبت ہارون کو موسیٰ سے تھی صرف اتنا ہے کہ میرے بعد نبی نہیں ہے۔”

یہ سن کر علی علیہ السلام کے دل کو ٹھنڈک پہنچی اور وہ لوٹ آئے منافقین جو یہ چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام کی قیادت اور رہبری کو مجروح کر دیں نہ یہ کہ ان کی تمام تر کوششیں نقش بر آب ہو گئیں بلکہ ساتھ ساتھ علی علیہ السلام کی جانشینی اور نیابت، مذکورہ حدیث کے ذریعہ واضح طور پر ثابت ہو گئی۔

منافقوں نے اپنی ایک خفیہ میٹنگ میں علی علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا اور راستے میں ایک گڑھا کھود دیا اور اسے گھاس پھوس سے ڈھک دیا تاکہ علی علیہ السلام واپسی کے موقع پر اس گڑھے میں اپنے جان کھو بیٹھیں۔

خداوند متعال نے علی علیہ السلام کو اس گڑھے کے خطرے سے محفوظ رکھا اور وہ صحیح و سالم مدینہ واپس آگئے نتیجہ میں اس دن منافق اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اور وہاں منافقوں کا ۱۴ آدمیوں پر مشتمل دوسرا گروہ (27) جو اسلامی لشکر کے ساتھ تھا ان کے درمیان خفیہ طور پر یہ طے ہوا کہ تبوک سے لوٹتے وقت مدینہ اور شام کے درمیان پہاڑ کی چوٹی پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ کو چھپ کر پتھروں کے ذریعہ بھڑکا دیا جائے تاکہ اونٹ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درہ کے اندر گرا دے اور آپ کو اس بات کی اطلاع بھی نہ ہونے پائے کہ اونٹ کو بھڑکانے والا کون تھا۔

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑ کی اس چوٹی کے قریب پہنچے جہاں درہ تھا، تو جبرئیل نے آکر آپ کو منافقوں کی سازش سے مطلع کر دیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو منافقوں کی، بالخصوص حضرت علی علیہ السلام کے سلسلہ میں کمی گئی سازش سے مطلع کیا اور حضرت علی علیہ السلام کی شان میں چند باتیں کہیں۔

چودہ افراد پر مشتمل منافقوں کا گروہ جو یہ سمجھ رہا تھا کہ کسی کو کچھ خبر نہیں ہے، لہذا یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دوستی اور محبت کا دم بھرنے لگے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر علی علیہ السلام کی رہبری اور قیادت کے سلسلہ میں سوالات کرنے لگے وہ اپنے سوال کرنے سے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم تفاہم اور معلومات کے لئے بحث کر رہے ہیں اور اطمینان بخش جواب ملنے کی صورت میں قانع و مطمئن ہو جائیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتمام حجت کے لئے ان کی گزارش کو قبول کیا اور ان کے سوالات کے جواب دیئے۔

منافقوں کے سوالات

منافقوں نے اپنی بحث کا آغاز اس طرح کیا:

ہمیں بتائیے کہ علی علیہ السلام بہتر ہیں یا فرشتے؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”فرشتوں کا مقام اس وجہ سے افضل ہے کہ وہ محمد، علی علیہ السلام اور خدا کے انبیاء علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی رہبری و قیادت کو قبول کرتے ہیں اور جو بھی انسان ان حضرات کی رہبری کو قبول کرے اور ان سے محبت کرے اس کا مقام فرشتوں سے افضل و برتر ہوگا، کیا تم یہ نہیں جانتے کہ فرشتے اپنے آپ کو ہر جہت سے آدم علیہ السلام سے افضل سمجھتے تھے، لیکن جب خداوند عالم نے انھیں حضرت آدم کا علمی مرتبہ ظاہر کیا تو وہ اپنے کو پست سمجھ کر ان کے سامنے سجدہ کے لئے جھک گئے، اور سجدہ والے دن ہی کچھ عظیم اور نیک شخصیتیں (جیسے پیغمبر، علی علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے تمام ائمہ علیہم السلام) آدم کے صلب میں موجود تھیں یعنی تمام مقدس شخصیتیں آدم کے پیچھے صف بنائے کھڑی رہیں، فرشتوں نے آدم کے ساتھ ساتھ ان کی تمام ذریت کا سجدہ کیا۔

بے شک سجدہ بظاہر آدم کے لئے ہو لیکن حقیقت میں وہ سجدہ خداوند عالم کا سجدہ تھا، جناب آدم علیہ السلام صرف قبلہ (خانہ کعبہ) کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن ابلیس نے گھمنڈ اور تکبر میں چور ہونے کی وجہ سے جناب آدم علیہ السلام کا سجدہ نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ بارگاہ خداوندی سے نکال دیا گیا، اس بات کا امکان پایا جاتا تھا کہ منافق جناب آدم علیہ السلام جیسے نبی پر گناہ اور ترک اولیٰ کا الزام لگا کر ان کی شخصیت کو مجروح کرتے لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ان کے اس اعتراض کا دروازہ بند کر دیا۔

اور آپ نے ان سے فرمایا: ”اگر آدم علیہ السلام نے بہشت کے اس درخت سے چند دانے کھائے جس کے لئے خداوند عالم نے نہی کی تھی تو بیشک انھوں نے ترک اولیٰ کیا لیکن ان کا ترک اولیٰ تکبر اور غرور کی وجہ سے نہیں تھا اسی لئے انھوں نے توبہ کی اور خداوند عالم نے ان کی توبہ کو قبول بھی کر لیا۔“ (28)

منافقوں کی سازش ناکام ہو گئی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ نصیحتوں سے منافقوں کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ پوری طرح اپنے دل میں یہ ٹھانے ہوئے تھے کہ جیسے ہی پیغمبر کا اونٹ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو اس کو بھڑکا دیا جائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خاص اور ماہر صحابی (حذیفہ) کو بلا کر فرمایا: ”تم پہاڑ کے نیچے کنارے کی طرف بیٹھ جا اور تمام آنے جانے والوں پر سخت نظر رکھو تاکہ مجھ سے پہلے کوئی بھی پہاڑ پر نہ جاسکے۔“ اس کے بعد پیغمبر نے عمومی اعلان کر دیا کہ تمام لوگ میرے پیچھے پیچھے آئیں اور کوئی بھی مجھ سے آگے جانے کی کوشش نہ کرے۔

حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق پہاڑ کے نیچے پہنچ کر اپنے کو ایک پتھر کی آڑ میں چھپا لیا اور چونکہ وہ کمر چاروں طرف دیکھتے رہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے کوئی پہاڑ کی جانب نہ جاسکے لیکن حذیفہ نے دیکھا کہ منافقوں کا وہی گروہ جو چودہ افراد پر مشتمل تھا بڑے ہی ماہرانہ انداز میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے لگا اور وہاں پہنچ کر اپنے بنائے ہوئے منصوبہ کے تحت پتھر کی آڑ میں چھپ گیا۔

حذیفہ نے جب انکی یہ تمام حرکتیں دیکھیں اور باتیں بھی سنیں تو فوراً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات سے آگاہ کیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقوں کی سازش سے آگاہ ہونے کے باوجود شتر پر سوار ہوئے اور چل پڑے، حذیفہ، سلمان و عمار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ چلے۔

آپ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو منافقوں نے اوپر سے پتھر لڑھکانا شروع کیا تاکہ پیغمبر کا اونٹ بھڑک اٹھے اور وہ درے میں جا گریں۔

لیکن تمام پتھر درے کی طرف لڑھک گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بغیر نقصان کے نیچے اتر آئے پیغمبر اسلام نے عمار سے فرمایا: ”پہاڑ کے اوپر جاو اور اپنے ڈنڈے سے مار کر ان کی سواریوں کو دور بھگا دو۔“

عمار، پیغمبر کے حکم کی تعمیل کے لئے منافقوں کی تلاش میں نکلے اور پہاڑ پر پہنچ کر انھیں متربتر کر دیا اور ان کی سواریوں کو اپنے ڈنڈے سے مارا جس کے نتیجے میں چند منافق اپنی سواری کے ساتھ ساتھ خود بھی نیچے گرے اور ان کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے۔⁽²⁹⁾

تاریخ اسلام کے یہ دقیق اور ظریف سبق آموز واقعات اور نصیحتیں ہیں جن کے ذریعہ ہم منافقوں کے حالات سے آگاہ ہو سکتے ہیں ہمیں چاہئے کہ ان کی رنگ برنگی اور نئی نئی سازشوں کے نقاب، ان کے چہرے سے نوج کر ان کی تمام تر سازشوں کو نقش بر آب کر دیں، خاص بات یہ تھی کہ منافقوں نے اپنی سازش کو رات کی تاریکی میں انجام دیا اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش میں تھے کہ ان کا ہر کام پس پردہ رہے، لیکن ہوشیار اور بیدار مسلمانوں نے ان کے پردے چاک کر کے ان کی سازش اور خفیہ ارادوں کو ناکام بنا دیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام اور حذیفہ کی تعریف چند جملوں میں اس طرح کی:

”علی علیہ السلام اور حذیفہ منافقوں کی سازشوں سے تمام لوگوں سے زیادہ واقف ہیں۔“

نتیجہ یہ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ رہنے والے منافقوں کی سازش آشکار ہونے سے پہلے ان سے مناظرہ کیا اور اس بات کو ملحوظ نظر رکھا کہ شاید وہ انھیں سمجھا بچھا کر راہ راست پر لے آئیں لیکن جب ان کی بزدلی اور سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا تو پیغمبر اسلام نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

۷۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علماء نجران سے مناظرہ

”نجران“ مکہ اور یمن کے درمیان ایک شہر تھا جس میں ۷۳ بستیاں تھیں، صدر اسلام میں وہاں عیسائی مذہب رائج تھا اور اس وقت وہاں بہت ہی چڑھے لکھے اور عظیم علماء رہتے تھے، خلاصہ کے طور پر یہ کہہ دینا بہتر ہوگا کہ اس وقت نجران، آج کا ”ویٹکان“ تھا۔

اس وقت شہر نجران کا بادشاہ ”عاقب“ نام کا ایک شخص تھا، جس کے ہاتھ میں مذہب کی باگ ڈور تھی اس کا نام ”ابو حارثہ“ تھا، اور جو شخص ہر دل عزیز، محترم اور لوگوں کے نزدیک قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا اس کا نام ”ابہم“ تھا۔

جب پورے عالم میں اسلام کی آواز گونجی تو عیسائی علماء جنھوں نے پیغمبر کے بارے میں جو بشارتیں توریت اور انجیل میں پڑھ رکھی تھیں اس کے سلسلہ میں ہمیشہ ہی بہت حساس رہتے تھے جب انھوں نے اسلام کی آواز سنی تو تحقیق کرنا شروع کر دیا۔

نجران کے عیسائی عوام نے اپنے نمائندوں کے ساتھ ایک خصوصی گروہ بنا کر تین مرتبہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ اچھی طرح اور قریب سے ان کی نبوت کی تحقیق کر سکیں۔

ایک دفعہ یہ گروہ ہجرت سے پہلے مکہ روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کیا اور دو دفعہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آکر اس گروہ نے آپ سے مناظرہ کیا۔

ہم ان کے تینوں مناظروں کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ علمائے نجران سے پہلا مناظرہ

نجران کے عیسائی علماء کا ایک گروہ مکہ کی طرف اس قصد سے روانہ ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریب سے دیکھے اور ان کی نبوت کے بارے میں تحقیق کرے، یہ لوگ کعبہ کے نزدیک پہنچ کر پیغمبر کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور وہیں مناظرہ اور گفتگو شروع کر دی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کے سوالات سنے اور جواب دیئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں جنہیں سن کر ان لوگوں کے دل بھر آئے، اور فرط مسرت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنی تحقیقات میں انہیں ایسی چیزیں معلوم ہوئیں جو توریت اور انجیل سے بالکل مطابق تھیں جب انہوں نے یہ تمام چیزیں پیغمبر کی ذات میں دیکھیں تو مسلمان ہو گئے۔⁽³⁰⁾

مشرکین بالخصوص ابو جہل اس مناظرہ سے بہت زیادہ ناراض ہوا اور جب نمائندہ نجران مناظرہ ختم کر کے واپس جانے لگے تو ابو جہل چند لوگوں کے ساتھ آیا اور راستے میں انہیں گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ ہم نے تم لوگوں جیسا پاگل اور دیوانہ آج تک نہیں دیکھا تم لوگوں نے اپنی قوم و ملت کے ساتھ خیانت کی اور اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کے گرویدہ ہو گئے ان لوگوں نے بڑے ہی نرم لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ آج کے بعد ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے ہم نے جو بھی کیا ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔⁽³¹⁾

۲۔ عیسائیوں کے اکابر علماء سے مناظرہ

دوسرا مناظرہ نجران کے عظیم سیاسی مذہبی راہنماؤں سے مدینہ میں ہجرت کے نویں سال واقع ہوا جس کی نوبت مباہلہ تک پہنچ گئی اور وہ اس طرح ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطوط سربراہان مملکت کو روانہ کئے تھے ان کے ضمن میں ایک خط آپ نے نجران کے پوپ ابو حارثہ کو بھی لکھا تھا جس میں آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔

چار افراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خط کو لے کر نجران کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو پوپ کی خدمت میں پیش کیا، پوپ خط پڑھ کر بہت ناراض ہوا اور غصہ میں آکر اسے پھاڑ دالا اور آپ کے ان نامہ بروں کا کوئی احترام نہیں کیا اور یہ ارادہ کیا کہ اس خط کے سلسلہ میں نجران کے پڑھے لکھے لوگ غور و فکر کریں، نجران کے پڑھے لکھے اور مقدس لوگ جیسے شرجیل، عبداللہ بن جبار بن فیض غور و فکر اور مشورہ کے لئے بلائے گئے۔

ان تینوں افراد نے کہا: ”چونکہ یہ بات نبوت سے متعلق ہے اس لئے ہم اس سلسلہ میں کسی بھی طرح کا کوئی نظریہ نہیں دے سکتے ہیں۔“ پوپ نے اس مسئلہ کو نجران کے عوام کے سامنے پیش کیا، ان کی رائے لینے پر بھی یہی نتیجہ نکلا کہ ہماری قوم کی طرف سے کچھ ہو شمند اور علم و عقل کے لحاظ سے زبردست افراد مدینہ میں محمد بن عبداللہ کے پاس جائیں اور ان سے اس سلسلہ میں بحث و مناظرہ کریں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

اس سلسلہ میں بحث و گفتگو بہت زیادہ ہوئی⁽³²⁾ لیکن آخر میں یہ طے پایا کہ نجران کے ساٹھ افراد جن میں سے چودہ عظیم علماء مجملہ عاقب ابو حارثہ اور ابہم بھی تھے مناظرے کے لئے مدینہ جائیں۔

ساٹھ آدمیوں پر مشتمل یہ قافلہ پیغمبر سے مناظرہ کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

بیشک کسی بھی مذہب کے بارے میں بحث و مناظرہ جو بغیر دھوکا دھڑی اور فریب کے ہو اور اس میں منطقی بحث ہو تو بہت اچھی چیز ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ بحث و مناظرہ کو سازش اور فریب کا رنگ دے کر عوام کو دھوکا دے تو یقیناً ایسے بحث و مناظرہ کو شدت سے روکنا چاہئے۔

نجران کے نمائندوں نے جان بوجھ کر بہت ہی زرق و برق لباس زیب تن کیا اور بہت سے زیور پہنے تاکہ مدینہ پہنچ کر اہل مدینہ کو اپنی طرف جذب کر لیں اور کمزور عقیدہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیں۔⁽³³⁾

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی ہوشیاری سے ان کے اس فعل کی طرف توجہ کی اور ان کے اس فریب کو ناکارہ بنانے کے لئے ایک طریقہ اپنایا کہ جب علمائے نجران پیغمبر کی خدمت میں اس زرق و برق لباس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی طرف بالکل توجہ نہیں دی اور نہ ہی ان سے کوئی بات کی، پیغمبر کی اتباع میں وہاں بیٹھے ہوئے مسلمانوں نے بھی ان سے کسی طرح کی کوئی بات نہیں کی۔

علمائے نجران تین دن تک مدینہ میں سرگرداں رہے اور عبد الرحمن اور عثمان سے پہلے کی جان پہچان کی بنا پر بے توجہی کا سبب معلوم کیا تو یہ لوگ انھیں حضرت علی علیہ السلام کے پاس لے گئے اور تمام حالات سے انھیں آگاہ کیا حضرت علی علیہ السلام نے

علمائے نجران سے فرمایا: ”تم اپنے زرق و برق لباس اتار کر پیغمبر کی خدمت میں عام لوگوں کی طرح جاو انشاء اللہ ضرور تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے۔“

علمائے نجران نے مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اس حکم کا اتباع کیا اور کامیاب ہوئے۔

مناظرہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ بحث و گفتگو میں ہر طرح کی آزادی ہو اور مناظرہ کی فضا بھی ہموار ہو، پیغمبر مسجد میں پہنچا نہ نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے اور تمام مسلمان آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے، عیسائی گروہ مسلمانوں کے اس طرح کے اجتماع سے بہت ہی حیران تھا لیکن تمام عیسائی اپنے عقیدے کے مطابق ایک گوشے میں مشرق (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے نماز ادا کیا کرنے لگے، بعض مسلمانوں نے چاہا کہ ان کی اس آزادی میں مانع ہوں لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو روک دیا۔

ہمیں اس مختصر سنی بات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی علماء مدینہ میں بالکل آزاد تھے اور ان پر کسی بھی طرح کی قید و بندش نہیں تھی اور نہ ہی وہ کسی کے تحت تھے۔

نتیجہ میں تین روز گزر جانے پر نماز جماعت کے بعد مسجد ہی میں ایک جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔

علمائے نجران کے ۶۰ افراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے اور بحث و مناظرہ کو سننے کے لئے تھوڑے فاصلہ پر مسلمان بھی بیٹھ گئے، قابل توجہ بات یہ تھی کہ چند یہودیوں نے بھی مسیحیوں اور مسلمانوں سے بحث کرنے کے لئے اس جلسہ میں شرکت کی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبت اور خلوص سے ان کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنی بات شروع کی اور آئے ہوئے علمائے نجران کو توحید و اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: ”آؤ ہم سب مل کر وحدہ لہا شریک کی عبادت کریں تاکہ ہم سب کے سب ایک زمرہ میں آجائیں اور خدا کے پرچم تلے اپنی زندگی گزاریں اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔
پوپ: ”اگر اسلام کا مطلب خدا پر ایمان رکھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے تو ہم تم سے پہلے ہی مسلمان ہیں۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”حقیقی اسلام کی چند علامتیں ہیں اور تین چیزیں ہمارے درمیان ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تم لوگ اہل اسلام نہیں ہو، پہلی یہ کہ تم صلیب کی پوجا کرتے ہو، دوسری یہ کہ تم سور کے گوشت کو حلال جانتے ہو، تیسری یہ کہ تم اس بات کے معتقد ہو کہ خدا صاحب اولاد ہے۔“

علمائے نجران: ”ہمارے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح خدا ہیں کیونکہ انھوں نے مردوں کو زندہ کیا ہے اور لا علاج بیماروں کو شفا بخشی ہے حضرت مسیح نے مٹی سے پرندہ بنایا اس میٹروچ پھونکی اور وہ اڑ گیا وغیرہ وغیرہ اس طرح کے ان کے تمام کام ان کی خدائی پر دلالت کرتے ہیں۔“

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”نہیں ایسا نہیں ہے کوئی بھی ایسا کام خدائی پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ خدا کے ایک بندہ ہی ہیں، جنھیں خداوند متعال نے جناب مریم علیہ السلام کے رحم میں رکھا اور اس طرح کے تمام معجزات انہیں عنایت فرمائے۔ وہ کھانا کھاتے تھے پانی پیتے تھے ان کے گوشت، ہڈی اور کھال تھی اور اس طرح جو بھی ہوگا وہ خدا نہیں ہو سکتا ہے۔“

ایک نمائندہ: ”حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ ان کی ماں جناب مریم علیہ السلام نے بغیر کسی سے شادی کئے انھیں جنم دیا، یہی ہماری دلیل ہے کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں اور خدا ان کا باپ ہے۔“

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الہی سورہ آل عمران آیت ۶۱ کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا: ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم جیسی ہے جس طرح خداوند متعال نے جناب آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے خاک سے پیدا کیا اسی طرح جناب عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور اگر باپ کا نہ ہونا خدا کے بیٹے ہونے پر دلیل بن سکتا ہے تو جناب آدم کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں تھے۔“

علمائے نجران نے جب یہ دیکھا کہ جو بھی بات کہی جاتی ہے اس کا دندان شکن جواب ملتا ہے تو وہ حضرات جو ریاست دنیا کے چکر میں اسلام لانا نہیں چاہتے تھے انھوں نے مناظرہ کو ختم کر دیا اور کہنے لگے اس طرح کے جوابات ہمیں مطمئن نہیں کر رہے ہیں لہذا ہم آپ سے مباہلہ کرنے پر تیار ہیں یعنی دونوں طرف کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر خداوند عالم سے دعا اور راز و نیاز کریں اور جھوٹوں پر لعنت کریں تاکہ خدا جھوٹوں کو ہلاک کر دے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ آل عمران کی ۶۱ آیت کے نازل ہونے پر انکی اس بات کو قبول کر لیا۔

تمام مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع ہو گئی اور جہاں دیکھنے وہیں لوگ بیٹھ کر چہ می گوئیاں کرنے لگے کہ دیکھئے مباہلہ میں کیا ہوتا ہے؟ لوگ بڑی بے صبری سے مباہلہ کا انتظار کر رہے تھے کہ بڑے انتظار کے بعد ۲۴ ذی الحجۃ کا دن آہی گیا، علمائے نجران اپنے خاص جلسہ میں نفسیاتی طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں لوگ آئیں تو بغیر کسی خوف اور جھجھک کے ان کے ساتھ مباہلہ کے لئے تیار ہو جانا، کیونکہ اس صورت میں کوئی حقیقت نہیں ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کو جمع کر کے دنیاوی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، لیکن اگر یہ دیکھو کہ پیغمبر اپنے چند خاص افراد کے ساتھ مباہلہ کے لئے آئے ہوتے ہیں تو ہرگز مباہلہ نہ کرنا کیونکہ نتیجہ بہت ہی خطرناک نکلے گا۔

علمائے نجران مباہلہ کی مخصوص جگہ پر پہنچے اور انجیل و توریت پڑھ کر خدا کی بارگاہ میں راز و نیاز کر کے مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔

اچانک لوگوں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار افراد یعنی اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور اپنے داماد علی علیہ السلام اور اپنے دونوں بیٹوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے ساتھ تشریف لارہے ہیں، شرجیل (عیسائیوں کا ایک عظیم اور بڑا عالم) نے اپنے دوستوں سے کہا کہ خدا کی قسم! میں وہ صورتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ ہٹ جائے تو یقیناً وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا ان سے ڈرو اور مباہلہ نہ کرو، اگر آج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباہلہ کرو گے تو نجران کا ایک بھی عیسائی اس روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا خدا کے لئے میری بات ضرور مان لو چاہے بعد میں کچھ ماننا یا نہ ماننا۔ شرجیل کے اصرار نے نجران کے علماء کے دلوں میں عجیب اضطرابی کیفیت پیدا کر دی اور انھوں نے اپنے ایک آدمی کو پیغمبر کی خدمت میں بھیج کر ترک مباہلہ کی درخواست کی اور صلح کی التماس کی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کرم اور رحمت خداوند سے ان کی اس گزارش کو قبول کیا اور صلح نامہ لکھا گیا جو چار نکات پر مشتمل تھا:

۱۔ اہل نجران کی یہ ذمہ داری ہے (تمام اسلامی ممالک کی امنیت کے سلسلہ میں) کہ وہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑے دو قسط میں مسلمانوں کو دیں۔

۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ نجران میں ایک ماہ یا ایک ماہ سے زیادہ مہمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

۳۔ جب بھی کبھی یمن میں اسلام کے خلاف کوئی سازش بلند ہو تو اہل نجران کے لئے واجب ہے کہ وہ ۳۰ ڈھال ۳۰ گھوڑے اور ۱۳۰ اونٹ عاریہ کے طور پر حکومت اسلامی کی حفاظت کے لئے دیں۔

۴۔ اس صلح نامہ کے بعد اہل نجران کے لئے سود کھانا حرام ہے۔

علماء نجران کی اس کمیٹی نے صلح نامہ کے تمام شرائط کو قبول کر لیا اور وہ لوگ شکست خوردہ حالت میں مدینہ سے نجران کی طرف روانہ ہوئے⁽³⁴⁾، ضمناً یہ بھی بتاتے چلیں کہ اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کی عظمت و منزلت کے لئے آیہ مباہلہ زندہ ثبوت ہے۔

۳۔ علمائے نجران کے تیسرے گروہ سے مناظرہ

نجران کے عیسائیوں کا تیسرا گروہ جو قبیلہ بنی الحارث سے تعلق رکھتا تھا اس نے نجران میں تحقیق کر کے اسلام قبول کر لیا تھا بعض ان کی نمائندگی کرنے کے لئے خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ آئے اور پیغمبر کی خدمت میں مشرف ہو کر اظہار اسلام کیا اور کہا کہ ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ خداوند متعال نے آپ کے ذریعہ ہم لوگوں کو ہدایت کی۔
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: ”تم لوگ کیسے اپنے دشمنوں پر غالب ہوئے؟“

انھوں نے کہا: ”اول یہ کہ ہم لوگوں میں کسی طرح کا کوئی تفرقہ و اختلاف نہیں تھا دوسرے یہ کہ ہم نے کسی پر ظلم کی ابتداء نہیں کی۔“

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”صدقتم“ تم نے سچ کہا۔“ (35)

نتیجہ یہ ہے:

جیسا کہ پہلے بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ نجران کے پہلے اور تیسرے گروہوں نے اسلام کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کی اور اس کے بعد اسلام کو قبول کر لیا لیکن دوسرا گروہ وہ تھا جس کی مبالغہ کی نوبت پہنچ گئی اور آخر کار انھوں نے مبالغہ ترک کرنے کی خواہش کی انھوں نے بھی اسلام کے قوانین کے سلسلہ میں تحقیق کی اور اس کی حقانیت کو سمجھ گئے لیکن انھوں نے اپنے پہلے گروہ کی روش اختیار نہ کی اور مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ظاہر اسلام قبول نہیں کیا۔

۱۔ پوپ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پھاڑ ڈالا یہ اس کی ریاست طلبی اور تعصب کی دلیل تھی جو حق قبول کرنے میں مانع ہوا۔

۲۔ وہ مبالغہ کے لئے تیار نہیں ہوئے کیونکہ اگر وہ اسلام اور محمد کی حقانیت کے سلسلے میں تحقیق نہ کی ہوتی تو مبالغہ کے ترک کرنے کی درخواست ہرگز نہ کرتے۔ یہ خود اس بات کی علامت ہے کہ وہ اسلام اور محمد کے مکتب کے بارے میں اچھی خاصی تحقیق رکھتے تھے اور اس کی حقانیت کو سمجھ چکے تھے۔

۳- تاریخ میں یہ ملتا ہے کہ نجران کے نمائندے جب مدینہ سے واپس جا رہے تھے تو ایک نمائندہ نے راستہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا تو ابو حارثہ (پوپ) نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ پیغمبر کو کہیں بُرا بھلا کہتے ہیں؟ یہی بات اس کا باعث ہوئی کہ اس شخص نے مدینہ واپس آکر اسلام قبول کر لیا۔

تاریخ کا یہ رخ بھی اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ علمائے نجران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو سمجھ گئے تھے۔

۴- نجران کے علماء جب واپس پہنچے تو لوگوں کو اپنی روداد سنائی، ان کی روداد سن کر نجران کا ایک راہب اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے عبادت خانہ سے چھج کر کہا: "اے لوگو! جلدی آؤ اور مجھے نیچے لے چلو ورنہ میں ابھی اپنے آپ کو نیچے گرا کر اپنی زندگی تمام کر لوں گا۔"

لوگ اسے سہارا دے کر عبادت خانہ سے نیچے لے آئے وہ دوڑا ہوا مدینہ کی طرف آیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہ کر اس نے کچھ مدت تک علمی استفادہ کیا اور قرآنی آیتیں سنیں، کچھ دنوں بعد وہ نجران واپس گیا، واپس جاتے وقت وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ جب مدینہ دوبارہ آئے گا تو اسلام قبول کر لے گا لیکن وہ کامیاب نہیں ہوا۔⁽³⁶⁾

غرض تمام چیزیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کے نزدیک حقیقت اسلام ثابت ہو چکی تھی اور وہ اچھی خاصی تحقیق بھی کر چکے تھے لیکن چند چیزیں جیسے ریاست طلبی، دنیا داری اور اہل نجران سے خوف وغیرہ ان کے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ بن رہیں تھیں۔

حوالہ جات

[1] یہ واقعہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل ہوا لیکن اس کے اصلی راوی حضرت علی علیہ السلام ہیں، اور یہ واقعہ کتاب "احتجاج طبرسی"، جلد اول صفحہ ۱۶ تا ۲۴ سے نقل ہوا ہے۔

[2] جناب عزیر علیہ السلام، جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیا نے بنی اسرائیل میں سے تھے، جو بیت المقدس پر تخت النصر نامی حملہ میں اسیر کر لئے گئے اور شہر بابل (بغداد کے حدود میں) بھیج دئے گئے، جناب عزیر علیہ السلام تقریباً سو سال "ہخاششی بادشاہوں" کے زمانہ میں بابل میں بنی اسرائیل کے لئے تبلیغ دین میں مشغول رہے۔

یہاں تک کہ ۴۵۸ سال قبل از میلاد (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے ساتھ یروشلم میں گئے جہاں پر بنی اسرائیلیوں میں توریت اور اس کے احکام کو بالکل بھلادیا تھا لیکن جناب عزیر علیہ السلام نے ان کو دوبارہ زندہ کیا اور ان کی اصلاح کی، سرانجام ۴۳۰ سال قبل از میلاد میں ان کا انتقال ہوا، ان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل نے نہ جانے کیا کیا کہا یہاں تک کہ انھیں "خدا کا بیٹا" بھی کہہ ڈالا!!۔

لیکن آج یہ عقیدہ بالکل ختم ہو گیا ہے اور اس کا ماننے والا کوئی نہیں ہے۔

[3] واضح عبارت میں یوں کہیں: دن رات کی جدائی کے پیش نظر پہلے مقدم ہونے والی چیز حادث ہے۔

[4] یعنی ان کا ایک دوسرے کا محتاج ہونا ان کے حادث ہونے پر دلیل ہے۔

[5] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مادیوں سے مناظرہ کرتے ہوئے آرام آرام، قدم بقدم کے طریقہ سے فائدہ اٹھایا اور درج ذیل چار چیزوں کی بنیاد پر ان کو مغلوب کیا:

۱۔ پہلے اس بنیاد پر کہ "نہ ملنا، نہ ہونے پر دلیل نہیں ہے"، حادث کا مشاہدہ نہ کرنا اس کے ازلیت پر دلیل نہیں ہے، جیسا کہ فناء کا مشاہدہ نہ کرنا اس کے ابدی ہونے پر دلیل نہیں ہے۔؟

۲۔ ممکن ہے کہ ہم حادث فعلی کے ذریعہ حادث غائب پر استدلال کریں جو حادث فعلی کی قسم سے ہے، جیسے شب و روز کا حادث فعلی گزشتہ اور آئندہ میں بھی اس کے حادث کی حکایت کرتا ہے۔

۳۔ حادث کا حکم محدود ہوتا ہے اگرچہ کے اس کے افراد بہت زیادہ ہوں۔

۴۔ اس دنیا کے تمام موجودات کے اجزاء ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں جو ان کے حادث ہونے پر دلیل ہے، کیونکہ قدیم چیز کا کسی چیز کا محتاج ہونا محال ہے۔

[6] احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۱۶ تا ۲۴۔

[7] قرآن مجید میں سورہ فرقان، آیت ۷، سورہ اسراء، آیت ۹۰ تا ۹۵ میں اور سورہ زخرف، آیت ۳۱ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

[8] سورہ کہف، آیت ۱۱۰۔

[9] سورہ اسراء، آیت ۴۸۔

[10] یہاں پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اضافہ فرمایا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس گفتگو میں سورہ زخرف آیت ۳۲ کی طرف اشارہ فرمایا۔

[11] سورہ کہف، آیت ۱۱۰، سورہ فصلت، آیت ۶۔

[12] احتجاج طبرسی ج ۱، ص ۲۶ سے ۳۶ تک کا خلاصہ، عکرمہ ابن ابو جہل شروع میں پیغمبر اسلام کا بہت سخت دشمن تھا، فتح مکہ کے وقت وہ بھاگ گیا تھا لیکن آخر کار مدینہ میں وہ آپ کے ہاتھوں ایمان لایا اور اس نے اتنا بڑا مقام حاصل کر لیا تھا کہ آپ نے اسے قبیلہ ہوازن کے صدقات و زکات حاصل کرنے کے لئے اپنا نمائندہ مقرر کر دیا تھا، وہ ابو بکر کی خلافت کے زمانے میں جنگ "اجنادین" یا "یرموک" میں شہید ہوا، (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۱۶)

[13] مدینہ کے دو بڑے قبیلے جو اسلام کے بعد متحد ہوئے اور جنہیں انصار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

[14] آزاد بحث اگرچہ ایک اسلامی موضوع ہے جس کے ذریعہ حق آشکار ہوتا ہے لیکن یہودیوں نے چاہا کہ اس بحث کی آڑ میں اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کریں لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

[15] سورہ بقرہ آیت 88.

[16] عبد اللہ کا نام "حصین" تھا، یہودی اس کا بڑا احترام کرتے تھے، اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام عبد اللہ رکھا دیا تھا۔

[17] اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبد اللہ ضدی، سرکش، خود خواہ اور نفسانی خواہشات کا اسیر نہیں تھا بلکہ حق پسند و حق طلب تھا اسی وجہ سے وہ یقینی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، حق طلبی کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان آزاد فکر اور ہر طرح کے تعصب سے دور ہو۔

[18] بعض مفسروں نے ان آیتوں کی شان نزول کے بارے میں کہا ہے کہ یہ عبد اللہ بن صوریہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ عبد اللہ بن سلام نے اس طرح کی بحث نہ کی ہوگی۔

[19] جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس کا نام حصین تھا۔

[20] نسخ التواریخ ج ۱، ص ۳۹، سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۵۱۶ اور احتجاج طبرسی ج ۱۔

[21] سورہ بقرہ، آیت ۱۳۹۔

[22] "وَاللّٰهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَآيْتِنَا نُوَلُّوْا فَعَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" (سورہ بقرہ، آیت ۱۱۵)

[23] قبلہ کی تبدیلی میں چند مصلحتیں تھیں منجملہ:

۱۔ عرب کے قبیلے کعبہ کو پسند کرتے تھے لہذا وہ اس کی وجہ سے اسلام کی طرف راغب ہوئے۔

۲۔ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بنایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام تقریباً تمام مذاہب میں محترم تھے لہذا تمام مذاہب اسلام کی طرف مائل ہوئے

۳۔ یہودیوں کا اعتراض کہ مسلمانوں کا الگ قبلہ نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے قبلہ ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس تبدیلی سے برطرف ہو گیا۔

۴۔ مکہ مسلمانوں کے لئے نزدیک تھا اس کو قبلہ بنانا اس بات کا سبب بنا کہ مسلمان کعبہ اور مکہ کو بت پرستوں سے پاک کریں اور اپنے قبلہ کو اسلام کے پرچم تلے لے آئیں۔

۵۔ اس تبدیلی سے پیغمبر کا احترام بھی مقصود تھا کیونکہ مکہ آپ کی جائے پیدائش تھا۔

۶۔ ایک مقصد مومن اور غیر مومن کی شناخت تھا جیسا کہ آپ اس مناظرہ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

[24] یہ حکم یہودیوں کو اپنی طرف مائل کر سکتا تھا جیسا کہ منصف مزاج یہودی مائل ہوئے۔

[25] بحار الانوار، نیا ایڈیشن، ج ۳، ۳۰۳، ۹، تفسیر نمونہ، ج ۱، ص ۲۵۶، نسخ التواریخ ہجرت، ج ۱، ص ۹۲، احتجاج طبرسی ج ۱، ص ۴۴ وغیرہ سے اقتباس۔ یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ سمت قبلہ کی تبدیلی ایک طرح کی آزمائش تھی تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ تمام مسلمان اسلامی قوانین کے پوری طرح پابند ہیں یا نہیں؟ اور یہ بات بھی واضح ہے کہ خصوصاً ایسے مقامات پر منافقین غیر محسوس طریقہ اور نادانستگی کے عالم میں اپنے آپ کو پہچنوا دیتے ہیں، ایسے ہی مواقع پر مومنین اور کمزور ایمان والے اشخاص کے درمیان ممتاز ہو جاتے ہیں اور ان کی شناخت نہایت آسان ہو جاتی ہے۔

[26] بحار الانوار، نیا ایڈیشن، ج ۹، ص ۲۸۲۔

[27] بعض مورخین نے ان منافقوں کی تعداد ۱۲ بتائی ہے جن میں سے ۸ قریش کے اور ۴ مدینہ کے تھے۔

[28] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مناظرہ میں بھی اس وجہ سے کہ قدرت طلب منافقین رہبری کے مسئلہ پر اعتراض کر رہے تھے اور ان کا سارا ہم و غم رہبری اور امامت کو نقصان پہنچانا تھا لہذا آنحضرت نے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی یہاں تک کہ فرشتوں کے سجدہ کو جو رہبری اور شائستہ انسانوں کو خدا کی جانشینی کے بارے میں تھا آنحضرت نے ان لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا تاکہ ولایت و اسلامی رہبری کے مسئلے کو اپنی ہوا ہوس کا بازار قرار نہیں نہ دے سکیں۔

[29] احتجاج طبرسی ج ۱ ص ۹۵ سیرہ ابن ہشام ج ۳ ص ۵۲۷ سے اقتباس۔

[30] سورہ مائدہ کی ۸۳ ویں آیت۔

[31] سیرہ حلبی ج ۱، ص ۳۸۳۔

[32] یہ مفصل گفتگو بحار الانوار ج ۲۱ ص ۲۷۶ پر ذکر ہوئی ہے۔

[33] حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس حرکت کا توڑ کر لیا تھا لیکن پھر بھی بعض ضعیف الاعتقاد لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، یہ لوگ حسرت سے کہتے تھے کہ اے کاش! ہم لوگ بھی ان عیسائیوں کی طرح مالدار ہوتے، یہاں تک کہ اس بارے میں سورہ آل عمران کی ۱۵ ویں آیت نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوتا ہے: “(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ کیا میں تم کو ایسی چیز کا پتہ بتاؤں جو اس مادی سرمایہ سے بہتر ہو ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے پروردگار کے نزدیک دوسرے جہان میں ایسے باغ ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ اس میں ہمیشہ اپنی پاکیزہ بیویوں کے ساتھ رہیں گے۔

[34] [34] بحار الانوار ج ۲۱، ص ۳۱۹۔ سیرہ ابن ہشام ج ۲، ص ۱۷۵، فتوح البدان ص ۱۷۶ اور اقبال ابن طاووس ص ۴۹۶۔

[35] البدایہ، ج ۵، ص ۹۸۔

[36] البدایہ، ج ۵، ص ۵۵۔

تمت بالخیر

فہرست

- 4 پانچ گروہوں کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ⁽¹⁾.....
- 5 ۱۔ یہودیوں سے مناظرہ.....
- 7 ۲۔ عیسائیوں سے مناظرہ.....
- 10 ۳۔ منکرین خدا سے مناظرہ.....
- 12 ۴۔ دوگانہ پرستوں سے مناظرہ.....
- 13 ۵۔ بت پرستوں سے مناظرہ.....
- 15 مثال کے طور پر:
- 16 مزید وضاحت:
- 17 ۲۔ قریش کے سرداروں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مناظرہ.....
- 25 ابو جہل کا سوال.....
- 26 ۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہودی دانشوروں سے مناظرہ.....
- 27 پہلا نمونہ.....
- 27 جب عبد اللہ بن سلام ایمان لے آیا:
- 29 دوسرا نمونہ.....
- 29 ۴۔ قبلہ کے سلسلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہودیوں سے مناظرہ.....
- 32 ۵۔ قرآن مجید پر اعتراض اور اس کا جواب.....
- 33 ۶۔ چوبیس منافقوں کی سازش اور آنحضرت کا ان سے مناظرہ.....
- 35 منافقوں کے سوالات.....
- 36 منافقوں کی سازش ناکام ہو گئی.....

- ۷۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علماء نجران سے مناظرہ..... 37
- ۱۔ علمائے نجران سے پہلا مناظرہ..... 38
- ۲۔ عیسائیوں کے اکابر علماء سے مناظرہ..... 38
- ۳۔ علمائے نجران کے تیسرے گروہ سے مناظرہ..... 43
- نتیجہ یہ ہے:..... 43
- حوالہ جات..... 44